فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

(اکیسواں شمارہ)

چھٹا سال

نومبر ۲۰۲۵ء بمطابق جمادی الاوّل ۱۴۴۷ھ

ایڈیٹر
اصغر مہدی اشعر

اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی بیالیسویں پیش کش

سہ ماہی

کینیڈا

فروغِ مرثیہ

نومبر ۲۰۲۵ء بمطابق جمادی الاوّل ۱۴۴۷ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں

عنوان	:	فروغِ مرثیہ (اکیسواں شمارہ)
اشاعت	:	نومبر ۲۰۲۵ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
ایڈیٹر	:	اصغر مہدی اشعر
ناشر	:	فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا
طابع	:	RB پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی
قیمت فی شمارہ	:	۱۵/ڈالر، ۱۰/پونڈ
ای میل	:	faroghemarsiya@gmail.com
فون	:	+1-905-462-9211
پتہ	:	441 JELINIK TERRACE, MILTON ONTARIO, CANADA L9T7N2

فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

ترتیب

۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴

۲۔حمد، منقبت اور سلام ---------- فدا محمد ناشاد (پاکستان) ---------- ۵

۳۔سلام ---------- اختر آصف زیدی (کینیڈا)، احمر شہوار (امریکہ) ---------- ۶

۴۔مونس کے غیر مطبوعہ نوحے ---------- میر نواب مونس مرحوم (انڈیا) ---------- ۸

۵۔اُستاد قمر جلالوی کی سلام گوئی ---------- ڈاکٹر وفا نقوی (انڈیا) ---------- ۱۲

۶۔رثائے عقل کا بیانیہ ---------- عقیل ملک (سعودی عرب) ---------- ۱۹

۷۔اُردو مرثیہ گو شعرا کا سائنسی شعور ---------- انجینئر محمد عادل فراز (پاکستان) ---------- ۲۵

۸۔میر نظیر باقری، منفرد مرثیہ گو شاعر ---------- عباس نقوی (پاکستان) ---------- ۳۲

۹۔مرزا رفیع سودا، مرثیہ نگاری کا ایک اہم ستون ---------- الیاس جوہر (پاکستان) ---------- ۳۴

۱۰۔جدید کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- جدید لکھنوی مرحوم (انڈیا) ---------- ۳۸

۱۱۔خلیق کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- میر خلیق مرحوم (انڈیا) ---------- ۵۹

۱۲۔سلام ---------- پروین حیدر (پاکستان) ---------- ۶۵

۱۳۔فصیح کے دو غیر مطبوعہ مرثیے ---------- جعفر علی فصیح مرحوم (انڈیا) ---------- ۶۶

اداریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فروغِ مرثیہ کا ۲۱واں شمارہ حاضرِ خدمت ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شمارے کی اشاعت کو ۵ سال مکمل ہو گئے، فروغِ مرثیہ کے شماروں کے ساتھ ساتھ دیگر کتب کی اشاعت کے بدولت فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کے پلیٹ فارم سے یہ بیالیسویں پیش کش ہے www.emarsiya.com پر شائقینِ مرثیہ کا ازدحام ہے اور ہر سال ۲ لاکھ سے زیادہ شائقین مرثیہ اپنی پیاس بجھا رہے ہیں اور مرثیے ڈاؤن لوڈ کر رہے ہیں، مرثیوں کی فراہمی کی بدولت نوجوان نسل میں مرثیے کا فروغ قابلِ تقلید ہے، اس ویب سائٹ پر ہر سال تقریباً دس لاکھ سے زائد صفحات کو دیکھا جاتا ہے اور دیکھنے والوں میں ۹۰ فیصد افراد کی عمر ۵۰ سال سے کم کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مرثیے دوبارہ اشاعت پذیر ہو رہے ہیں، مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ دبیرؔ کے مرثیے کی تمام جلدوں کی تدوین و ترتیب اسی ہفتے مکمل ہوئی ہے اور فائل پروفنگ کے بعد ان شاء اللہ جلد ہفتم تا نہم جون ۲۰۲۶ء تک اشاعت کی منزلیں عبور کر لیں گی۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے اور مولیٰ کا شکر گزار ہوں جنھوں نے وہ ہمت عطا کی جس کی بدولت یہ مرثیے حتی الامکان صحتِ متن کے ساتھ ڈیڑھ صدی بعد سامنے آ رہے ہیں، یقیناً ۲۱ویں صدی مرثیے کی صدی ہے اور محققین کے لیے ''دبیرؔ کے مرثیے'' ایک نئی جہت ثابت ہوگی، امید ہے کہ اس دور کے طلبا دبیرؔ کے مرثیوں کی تحقیق پر توجہ دیں گے۔

مونسؔ کے مرثیے ان شاء اللہ جلد آپ کے سامنے ہوں گے، جلد اوّل اور فرہنگِ مونسؔ فائنل پروفنگ کے عمل سے گذر رہی ہیں اور جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوں گی، جلد دوم اور سوم پر کام جاری ہے اور امید ہے کہ یہ کتب ۲۰۲۶ء میں آپ کے کتب خانوں کی زینت ہوں گی۔ ۲۰۲۶ء میں اُس کے علاوہ ابرؔ جون پوری کے مرثیے اور فرہنگِ مرثیہ پر توجہ رہے گی۔ فرہنگِ مرثیہ میں تقریباً ۵ ہزار مرثیوں سے الفاظ منتخب کیے گئے ہیں جن میں تقریباً ۶۰۰ کتب اور رسائل اور تقریباً ۵۰۰ مرثیہ نگاروں کا کلام شامل ہے۔ ان تمام منصوبوں میں مجھے اس بات کی مسرت ہے کہ نئے لکھنے والے اور نئے مرثیہ نگار پچھلے پانچ سال میں اس شمارے کے ذریعے سامنے آئے ہیں، یہ تعداد تقریباً سو کے قریب ہے، امید ہے کہ یہ شمارہ اسی طرح آپ کے رثائی شعور کو متحرک رکھنے کا باعث ہوگا۔

اُردو لغت بورڈ کی جانب سے پچھلے مہینے فرہنگِ میر انیسؔ کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت ہوئی، ان شاء اللہ فرہنگِ دبیرؔ اور فرہنگِ مرثیہ بھی اسی ادارے کے تحت شائع ہوں گی اور فرہنگِ مونسؔ بھی اسی ادارے کے ذریعے سامنے لانے کا ارادہ ہے۔

۲۰۱۳ء سے لے کر آج تک میرا صرف ایک نظریہ ہے، اس بات سے قطع نظر کہ کون کیا اور کس لیے کام کر رہا ہے، میرے نزدیک جو بھی فروغِ مرثیہ کے لیے ہاتھ بٹائے، کتابوں کی تدوین، مرثیہ نگاری، نثر نگاری یا تحت اللفظ خوانی، یہ سب افراد میرے لیے سر کا تاج ہیں کہ اس صنفِ سخن پر کام کر رہے ہیں جسے اُردو زبان لکھنے اور بولنے والے تقریباً بھلا چکے تھے۔

ان تمام افراد کا شکریہ جنھوں نے اس سفر میں میرا ساتھ دیا خصوصاً ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، جناب سیّد جاوید حسن، جناب ریحان احمد، جناب بشارت حسین، جناب عون پرتاب گڑھی، محترمہ ارم نقوی اور جناب جوہر عباس، میں آپ سب کا احسان مند ہوں۔

طالبِ دعا

اصغر مہدی اشعر

۲۴/اکتوبر ۲۰۲۵ء

ملٹن، کینیڈا

غیرِ مطبوعہ حمدِ مسلسل

فدا محمد ناشادؔ

پروردگار ! تو ہی تو ہے ذاتِ ذوالجلال — تجھ پر عیاں ہر ایک کا آغاز اور مآل
بھاگے ترے حضور سے کس کو ہے یہ مجال — تو صانعِ وجود ہے صنعت تری کمال
شمس و قمر کی چال سے مربوط ماہ و سال — کاریگری کی تیری یہ ہے مختصر مثال
تو نے عطا بشر کو کیا حُسن اور جمال — لوگوں کو تو نے بخش دی اولاد اور آل
کچھ لوگ بچ گئے ہیں کرونا سے بال بال — کتنے ہیں اَب بھی بسترِ بیمار پر نڈھال
کچھ لوگ زندگی کو سمجھنے لگے وبال — کچھ لوگ ہیں جہان میں نادار و پست حال
ایسے بھی ہیں جو رہتے ہیں ہر حال میں نہال — کچھ اور لوگ جِن کو ملی جاہ اور جلال
لیکن ہوئے ہیں حرص و ہوس کے وہ یرغمال — آسودہ کچھ ہیں کھا کے چپاتی کے ساتھ دال
پر ایسے لوگ ہوتے ہیں عالم میں خال خال — ہر اک کو نعمتیں تری ملتی ہے حسبِ حال
سرسبز وادیوں میں پہاڑوں کا وہ جلال — آہو ، ہرن ، چرند و پرند ، اُن میں سب نہال
چشمے ہیں ، آبشار ، سمندر ہیں بے مثال — ربِّ جلیل تیری ثنا مجھ سے ہے محال
رحمت سے تیری رکھ ہمیں دائم بہ اتصال — اپنے غضب سے دور ہمیں رکھ ہزار سال
ہم کو کسی بھی وقت نہ ہو رنج اور ملال — جو نعمتیں ملی ہے ہمیں وہ ہوں لا زوال

ناشادؔ کی دعا ہے یہی ربّ ذوالجلال!
ہم کو ملے سکون و صحت اور حُسنِ حال

منقبتِ اہلِ بیتؑ

فدا محمد ناشادؔ

مرے کلام پہ حمد و ثنا کا سایہ ہے — مرے کریم کے لطف و عطا کا سایہ ہے
میں حمد و منقبت و نعت لکھ رہا ہوں مرے — تخیلّات پہ شاہِؑ ہُدا کا سایہ ہے
لکھا ہے حُسن جہاں ، اُس کو پڑھ چکا ہوں حَسنؑ — حُسین پہ خامسِ آلِؑ عبا کا سایہ ہے

خُدا نے ہم کو نوازا خواسِ خمسہ سے یہ ہم پہ پنجتنؑ با صفا کا سایہ ہے
کوئی مریض ہو لے جا رضاؑ کے روضے پر وہیں طبیب ہے ، دارالشفا کا سایہ ہے
سفر ہو یا ہو حضر مجھ کو کوئی خوف نہیں کہ مجھ پہ شاہِ نجف مرتضیٰؑ کا سایہ ہے
علیؑ امام مرا اور میں غلامِ علیؑ علیؑ کی شان پہ تو لا فتا کا سایہ ہے
زِ لطفِ احمدِ مرسلؐ ، بفضلِ آلِؑ رسولؐ میں خوش نصیب ہوں ، مجھ پر ہما کا سایہ ہے
وہی ہے نفسِ پیمبرؐ وہی ہے زوجِ بتولؑ علیؑ کی ذات پہ ہی ہل اَتا کا سایہ ہے
ریاضِ خلد کے سردار شبّرؑ و شبیرؑ حدیث پاک ہے ، خیرؐ الورا کا سایہ ہے
سفیرِ کرب و بلا زینبِؑ حزیں پہ سلام وہ جس کے عزم پہ خیر النسّا کا سایہ ہے
تری دعا کی اجابت میں دیر کیا ہوگی علیؑ کا نام لے حاجت روا کا سایہ ہے

نجات پائے گا ہر دُکھ سے تو نہ رہ ناشادؔ !
کہ تجھ پہ رحمتِ ارض و سما کا سایہ ہے

سلام

اختر آصفؔ زیدی

حجابِ لہجۂ زینبؑ علیؑ کا لہجہ ہے علیؑ کا لہجہ ہے ، مطلب ، علیؑ کا لہجہ ہے
کلام جس نے کیا وہ علیؑ کی بیٹی ہے مگر کلام میں یارب علیؑ کا لہجہ ہے
کہیں کلام ہُوا تھا علیؑ کے لہجے میں اور اُس کے بعد ، یہاں ، اب علیؑ کا لہجہ ہے
اگر خدا نے چُنا ہے علیؑ کے لہجے کو کہو ، تو کہہ دیں کہ مذہب علیؑ کا لہجہ ہے
وہی غدیر کی باتیں ، وہی غدیر کے فِکر بتایئے کہ کہاں ، کب ، علیؑ کا لہجہ ہے
وہاں علیؑ کے اشارے نے مِہر روکا ، یہاں اُتر کے آئے گا کوکب علیؑ کا لہجہ ہے
علیؑ کو لہجۂ زینبؑ میں تھی کتاب پسند علیؑ کی بیٹی کا منصب علیؑ کا لہجہ ہے
یہ تخت اور ہے ، دربار مختلف ہے ، تو کیا بتولِؑ عصر کے ہیں لب علیؑ کا لہجہ ہے
علیؑ کے دَور کے افراد ہیں گواہوں میں سماعتوں میں ہے صاحَب علیؑ کا لہجہ ہے
کہیں کہیں پہ مخاطِب ہے ثانیِ زہراؑ کہیں کہیں پہ مخاطَب علیؑ کا لہجہ ہے
فراتِ کرب و بلا سے دیارِ کوفہ و شام بہ اختیاریِ زینبؑ علیؑ کا لہجہ ہے
قریب تر ہے علیؑ و بتولؑ سے زینبؑ رسولؐ و رَب سے مقرّب علیؑ کا لہجہ ہے
بہ فخر کہتی ہے دُنیائے ارتقاء آصفؔ ہماری فِکرِ مُہذّب علیؑ کا لہجہ ہے

سلام

احمر شہوار

صبحِ عاشور لکھا ہوا تازہ سلام نذر ہے!

یہ کربلائے حسینؑ رب ہے، سکونِ قلب و نظر یہیں ہے
یہیں پہ نبیوںؑ کی سجدہ گہ ہے، عبادتوں میں اثر یہیں ہے

صراط و شرع و سبیل جس کو کتابِ رب میں کہا گیا ہے
صداقتوں کا یہی ہے جادہ شہادتوں کی ڈگر یہیں ہے

یہاں ستاروں کے جسم ریگِ تپاں کے کندن سے ڈھل رہے ہیں
وصالِ نورِ جلی کی خاطر طوافِ شمس و قمر یہیں ہے

جھلستی ریتی، ہوائیں قاتل، نہ کوئی سبزہ نہ کوئی منزل
حسینؑ آ کر ٹھہر گئے تو جناں سے بہتر نگر یہیں ہے

جڑیں ہیں کشتِ ازل میں جس کی، ثمر ابد تک لدے ہوئے ہیں
وہ فخرِ طوبیٰ وہ رشکِ جنت طہارتوں کا شجر یہیں ہے

جو چودہ صدیوں سے تا قیامت کلاہِ توحید میں جڑا ہے
وہ درِّ شاہ نجفؑ یہیں پر وہ فاطمہؑ کا گہر یہیں ہے

ہوں عرش والے کہ فرش والے، سبھی کی نظریں جمی ہوئی ہیں
جہاں سے سب کو متاعِ عشق و یقیں ملی ہے وہ در یہیں ہے

نہ اس سے پہلے ہوئی تھی کوئی نہ ہو گی کرب و بلا کبھی پھر
ہر ایک تحریکِ انقلابِ جہاں مگر مستقر یہیں ہے

مقامِ اصغر پہ کربلا میں سوال بیٹی نے مجھ سے پوچھا
یہ شاہزادےؑ کو پیاس کیوں تھی فرات بابا اگر یہیں ہے

ربابؑ عابدؑ سے کہہ رہی تھیں مجھے تو زنداں میں چھوڑ دینا
میں کیسے جاؤں وطن کو بیٹا مری سکینہؑ کا گھر یہیں ہے

باوقتِ رخصت یہ آ کے بانوؑ نے شاہِ دیںؑ سے کہا تو ہو گا
میں قید ہو کے چلی ہوں والی، یہ میرا ننھا پسر یہیں ہے

تڑپ کے دربار میں سکینہؑ یہ بھیا عابدؑ سے کہہ رہی تھی
مجھے یہ خوشبو جو آ رہی ہے ہمارے بابا کا سر یہیں ہے

یہی ہے شہوارؔ کی تمنا وطن بنے کربلا ہی مولاؑ
اسی فضا میں سخن پلیں گے متاعِ فکر و ہنر یہیں ہے

❁❁❁❁

مونسؔ کے غیر مطبوعہ نوحے

اے مومنو دنیا سے اُٹھے آج پیمبرؐ وا حسرت و دردا
بے یار و مددگار ہوئے حیدرؑ صفدر وا حسرت و دردا

جنّت کو سدھارے ہیں نبیؐ باغِ جہاں سے حیدرؑ کی یہ ہے شکل
ہر چشم ہے اشکوں کے سبب چشمۂ کوثر وا حسرت و دردا

تھی جس کے سبب رونق گلزارِ مدینہ وہ مر گیا افسوس
ہر گھر میں یہ بتلاؤ کہ ماتم نہ ہو کیونکر وا حسرت و دردا

سلمانؑ نے چاک اپنا گریبان کیا ہے بیتاب ہیں اصحاب
اور پیٹے ہیں سر رو رو کے مقدادؓ و ابوذرؓ وا حسرت و دردا

کرتا ہے بلالؓ آہ وفغاں بدلے اذاں کے روتے ہیں نمازی
مسجد کو تزلزل ہے جو جنبش میں ہے منبر وا حسرت و دردا

زہراؑ نے ہے رو رو کے یہی شور مچایا موقوف ہوئی وحی
اب آج سے جبریلؑ نہ آویں گے میرے گھر واحسرت ودردا

دل کھول کے اب ظلم وستم مجھ پہ کریں گے جو جو کہ ہیں دشمن
مرجانے سے بابا کے نہایت ہوں میں مضطر واحسرت ودردا

کس پاس میں اب جاؤں گی فریاد کی خاطر حسرت کی جگہ ہے
اب آپ کے مرنے سے یہ ویران ہوا گھر واحسرت ودردا

ناناؐ کے جنازے پہ کھڑی پیٹ رہی ہیں سر زینبؑ وکلثومؑ
شبیرؑ بھی بیہوش ہیں اور غش میں ہیں شبرؑ وا حسرت و دردا

مونسؔ گیا دنیا سے دو عالم کا شہنشاہ وا حسرت و دردا
فریاد سے خاتونِؑ قیامت کے ہے محشر وا حسرت و دردا

انیسویں شب آج ہے ماہِ رمضاں کی سر پیٹو محبّو
آواز چلی آتی ہیں گردوں سے فغاں کی سر پیٹو محبّو

سر حیدرؑ صفدر کا ہوا سجدے میں زخمی اور خون ہے جاری
یہ شکل ہے سجدے میں امامؑ دو جہاں کی سر پیٹو محبّو

لرزا ہو نہ کیوں منبر ومحراب کو غم سے اُس شیر کے دم سے
عزّت ہے جماعت کی نہ رونق ہے اذاں کی سر پیٹو محبّو

حسنینؑ مصلّے کے قریں بیٹھے ہیں آکر ہے غش میں وہ صفدر
رقّت نہیں تھمتی ہے کسے پیر و جواں کی سر پیٹو محبّو

کیا ظلم کیا عید کے نزدیک لعیں نے اُس دشمنِ دیں نے
کچھ قدر نہ کی ہائے شہؑ کون و مکاں کی سر پیٹو محبّو

گھر لے چلے ہیں باپ کو حسنینؑ بصد غم ہے خلق میں ماتم
اک دھوم ہے سب شیعوں میں فریاد وفغاں کی سر پیٹو محبّو

کس منھ سے کہوں زینبؑ وکلثوم کا ماتم دم میں نہیں اب دم
مونسؔ کو نہیں تاب ہے اس غم سے بیاں کی سر پیٹو محبّو

اے مومنو دنیا سے اُٹھے حیدرؑ کرّار افسوس صد افسوس
حسنینؑ ہوئے دردِ یتیمی میں گرفتار افسوس صد افسوس

زہراؑ و نبیؐ خلد میں روتے ہیں کھلے سر باخیلِ ملائک
حورانِ جناں کہتی ہیں باچشمِ گہر بار افسوس صد افسوس

جبریلؑ کھڑے کہتے ہیں سر پیٹ کے یکسو باگریہ و افغاں ہے ہے مرے مالک مرے آقا مرے سردار افسوس صد افسوس
لرزاں ہے زمیں چرخِ بریں کو ہے تزلزل زینبؑ ہے کھلے سر ہوتا نہیں کیوں واقعۂ حشر نمودار افسوس صد افسوس
قاتل نے لگائی جو سرِ شاہؑ پہ ضربت ، جبریلِ امیں نے رو رو کے کہا قتل ہوئے حیدرِ کرّار افسوس صد افسوس
افسوس کہ قاتل نے سرِ شاہِ ہدا پر وہ تیغ لگائی جو زہر میں بجھوائی تھی بے دیں نے کئی بار افسوس صد افسوس
یاں تیغ چلی فرقِ شہنشاہِ امم پر واں عرشِ بریں پر تصویرِ علیؑ ساری ہوئی خون میں سرشار افسوس صد افسوس
برپا ہے عجب شورِ قیامت ہے حرم میں سب پیٹتے ہیں سر بیتابی سے کہتے تھے کہ یا حیدرِ کرّار افسوس صد افسوس
دلدل پہ عجب یاس کا عالم ہے نمودار تابوت کے ہمراہ آنکھوں سے رواں اشک ہے قنبر ہے جلودار افسوس صد افسوس
حسنینؑ ہیں زینبؑ کی طرح چاک گریبان اور باسرِ عریاں فرماتے ہیں ہے ہے مرے باباؑ میرے غمخوار افسوس صد افسوس
مونسؔ غمِ شاہِؑ دوسرا میں بصد افغان کر گریہ و زاری کام آئے گا یہ حشر میں کہنا ترا ہر بار افسوس صد افسوس

ماں کہتی تھی رو رو کے یہ باگریہ و زاری ہے ہے بنے قاسمؑ میں رانڈ تو جیتی رہے تم مر گئے واری ہے ہے بنے قاسمؑ
کچھ ماں کی ضعیفی پہ تمھیں رحم نہ آیا حلق اپنا کٹایا لٹوا گئے جنگل میں کمائی کو ہماری ہے ہے بنے قاسمؑ
کنگنا ہے کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں سہرا مجروح ہے چہرا ٹکڑے ہے یہ پوشاک شہانی تیری ساری ہے ہے بنے قاسمؑ
تلواروں سے کٹ کٹ کے ترے دستِ بلوریں خوں میں ہوئے رنگیں یہ بیاہ کی مہندی تو تجھے راس نہ آئی ہے ہے بنے قاسمؑ
کیا سور ہے ہو آنکھیں تو صدقے گئی کھولو کچھ منھ سے تو بولو لے جاؤں کہاں یاں سے دلھن کو میں تمہاری ہے ہے بنے قاسمؑ
کل دولھا بنے بیٹھے تھے مسند پہ میری جان ہے آج یہ سامان پامال ہے لاش اور لہو زخم سے جاری ہے ہے بنے قاسمؑ
نیزوں پہ ہیں سر اونٹ پہ سر ننگے بنی ہے اور سینہ زنی ہے کس دھوم سے جاتی ہے برات آج تمھاری ہے ہے بنے قاسمؑ
مونسؔ کہوں کس منھ سے میں اُس بی بی کا عالم جیسا تھا اُسے غم ہر دم یہی چلّاتی تھی باگریہ و زاری ہے ہے بنے قاسمؑ

زینبؑ یہ بیاں کرتی تھیں بادیدۂ خونبار اے بھائی علمدارؑ تم مر گئے سر دینے کو شبیرؑ ہیں تیار اے بھائی علمدارؑ
شبیرؑ گئے لاشۂ عباسؑ پہ جس دم دل پھٹ گیا غم سے کہتے تھے کہ اب ہو گئے ہم بے کس و ناچار اے بھائی علمدارؑ
اکبرؑ کے سوا کون ہے اب پاس ہمارے جو سر کو کٹائے سو مرنے کو تیار ہے وہ بھی جگر افگار اے بھائی علمدارؑ
اس وقت کمر ٹوٹ گئی سبطِؑ نبیؐ کی بے کس ہوا شبیرؑ تم مر گئے اب شہؑ کا نہیں کوئی مددگار اے بھائی علمدارؑ
قاسمؑ ہیں نہ ہیں عونؑ و محمدؑ جو لڑیں گے اعدا سے دمِ جنگ بعد اکبرؑ و اصغرؑ کے چلی شہؑ پہ جو تلوار اے بھائی علمدارؑ
یہ کہتے تھے اور روتے تھے میدان میں شبیرؑ مونسؔ میں کہوں کیا سر پیٹ کے کہتی تھی یہ زینبؑ جگر افگار اے بھائی علمدارؑ

چلّاتے تھے میداں میں کھڑے سیّدِ مظلوم مارے گئے اکبرؑ
اس دم ہمیں کچھ آنکھوں کے ہوتا نہیں معلوم مارے گئے اکبرؑ

تنہائی میں ہے ہے نہ رہے پاس ہمارے دنیا سے سدھارے
کٹتے ہوئے خنجر سے نہ دیکھا میرا حلقوم مارے گئے اکبرؑ

اب گھیر کے تلواریں ہمیں ماریں گے ناری رخصت ہے ہماری
مظلوم تو تھے اور بھی ہم ہوگئے مظلوم مارے گئے اکبرؑ

فرزند جو ہوتا تو مری قبر بناتا اور اشک بہاتا
اب لاش رہے گی کفن و گور سے محروم مارے گئے اکبرؑ

یہ کہتے ہوئے خیمے کی ڈیوڑھی پہ جو آئے گردن کو جھکائے
چلّائی کہ ماتم کرو اے زینبؑ و کلثومؑ مارے گئے اکبرؑ

صدمے سے لگیں پیٹنے سر زینبؑ و کلثوم برپا ہوا کہرام
ہر سمت یہی خیمۂ عصمت میں پڑی دھوم مارے گئے اکبرؑ

ماں ہاتھوں سے دل تھام کے اور چھینک کے چادر چلّائی یہ رو کر
گھر لٹ گیا برباد ہوئی بانوئے مغموم مارے گئے اکبرؑ

ہے ہے یہ جواں میرا پسر مر گیا لوگو موت آئی نہ مجھ کو
دنیا سے اُٹھا لے مجھے اے خالقِ قیّوم مارے گئے اکبرؑ

تھی دل میں تمنّا کہ بناؤں انھیں نوشاہ اب کس کا کروں بیاہ
مرجائیں گے بن پھولے پھلے تھا کسے معلوم مارے گئے اکبرؑ

اصغرؑ کے بھی جینے کی توقع نہیں زنہار مرنے کے ہیں آثار
دم توڑتا ہے پیاس سے جھولے میں یہ معصوم مارے گئے اکبرؑ

مونسؔ حرمِ شاہؑ میں غش ہوتا تھا طاری سب کرتے تھے زاری
کہتی تھی یہ سر پیٹ کے جب بانوئے مغموم مارے گئے اکبرؑ

بانوؑ کہتی تھی میرے گیسوؤں والے اکبرؑ
صدقے جاؤں مجھے پاس اپنے بلا لے اکبرؑ

ماں کی آنکھوں میں ہے تاریک جہاں تیرے بغیر
میرے مہتاب میرے گھر کے اُجالے اکبرؑ

ہے غضب سینہ سپر ہونے کو میں آ نہ سکی
تیری چھاتی پہ لگے ظلم کے بھالے اکبرؑ

کس طرف سوتے ہو آواز تو دو مادر کو
گھر سے نکلی ہوں کلیجے کو سنبھالے اکبرؑ

تیر کھا کر گئے دنیا سے علی اصغرؑ بھی
اب بھلا گود میں بانوؑ کسے پالے اکبرؑ

سر کٹانے کو چلے ہیں سوئے میداں شبیرؑ
اپنی امّاں کو رنڈاپے سے بچا لے اکبرؑ

خاک سے میں تجھے گودی میں اُٹھاؤں کیونکر
درد ہوگا کہ تیرے زخم ہیں آلے اکبرؑ

مجھ کو تو باندھے لیے جاتے ہیں اعدا سوئے شام
اب تیری لاش ہے زہراؑ کے حوالے اکبرؑ

سر پٹکتی ہے زمیں پر گلِ زہراؑ کے لیے
اب سکینہؑ کے بھی ہیں جان کے لالے اکبرؑ

بیڑیاں پاؤں میں عابدؑ کے ہیں گردن میں بھی طوق
قید سے تو مرے یوسفؑ کو چھڑا لے اکبرؑ

قد تیرا سرو سا جس دم مجھے یاد آتا ہے
رو کے قمری کی طرح کرتی ہوں نالے اکبرؑ

گر قیامت میں کرو تم نہ مدد مونسؔ کی
کون پھر اُس کو جہنم سے بچا لے اکبرؑ

اکبرؑ نے پکارا کہ خبر لیجے ہماری برچھی لگی کاری
بابا یہ قبا خون میں تر ہوگئی ساری برچھی لگی کاری

خیمے کی طرف ہوں میں بڑی دیر سے تکتا پر اُٹھ نہیں سکتا
آپ آئے نہ اور میں نے پکارا کئی باری برچھی لگی کاری

بسمل سا تڑپتا ہوں میں اے شاہِ مدینہ مجروح ہے سینہ ایسا نہ ہو سر کاٹ لے تن سے کہیں ناری برچھی لگی کاری
مہمان کوئی دم کا ہوں آنا ہو تو آؤ دیدار دکھاؤ اے ابنِ علیؑ سبطِ نبیؐ عاشقِ باری برچھی لگی کاری
گودی میں لیے ہیں مجھے یاں حیدرؑ وصفدر روتے ہیں پیمبرؐ آئی ہے میرے لینے کو زہراؑ کی سواری برچھی لگی کاری
مونسؔ علی اکبرؑ کا بپا ہوتا تھا ماتم سب روتے تھے پیہم جب کہتی تھی بانوؑ کہ سفر کر گئے واری برچھی لگی کاری

مقتل میں بیاں کرتی تھی یہ بانوئے دلگیر پیارے علی اصغرؑ اب کیوں نہیں کرتے ہو اشارے علی اصغرؑ
پانی نہ ملا تشنہ دہن مر گئے بیٹا پھٹتا ہے کلیجہ آلودہ بخوں ہے یہ تیری چاندسی تصویر پیارے علی اصغرؑ
ہے ہے بنِ کاہل نے تمھیں خوں میں دُبایا کچھ رحم نہ کھایا کیا صاحبِ اولاد نہ تھا ظالمِ بے پیر پیارے علی اصغرؑ
فریاد ہے لوٹی گئی میں پالنے والی گودی ہوئی خالی اب مجھ کو بھی پاس اپنے بلا لو کسی تدبیر پیارے علی اصغرؑ
کچھ زخم کے بھی درد کا ماں سے نہ کہا حال مظلوم مرے لال حلق اپنا کٹا کر سوئے جنت ہوئے رہ گیر پیارے علی اصغرؑ
اب سوؤ گے تربت میں کفن تم تو پہن کر ہے ہے مرے دلبر کُرتے ترے پہنائے کسے مادرِ دلگیر پیارے علی اصغرؑ
جنگل میں نہ چھوڑوں گی اکیلا تجھے واری میں درد کی ماری بیٹھوں گی تری لاش پہ با حالتِ تغییر پیارے علی اصغرؑ
مونسؔ یہی چلّاتی تھی رو رو کے وہ پُرغم بادیدۂ پُرنم افسوس ہوئی خاک میں پنہاں تری تصویر پیارے علی اصغرؑ

کہتی ہیں فاطمہؑ مرے گلگوں قبا حسینؑ ہے ہے شہیدِ خنجرِ ظلم و جفا حسینؑ
جاری ہے خوں تری رگِ گردن سے خاک پر ہے ہے گلو بریدۂ راہِ خدا حسینؑ
مرنے سے تیرے یثرب و بطحیٰ اُجڑ گیا ہے ہے ذبیحِ ماریہ و نینوا حسینؑ
ریتی پہ قبلہ رو ہے ترا تن پڑا ہوا سجدے میں کٹ گیا تیرا پیاسا گلا حسینؑ
قربان تیرے لاشۂ بے سر کے فاطمہؑ مہرو حسینؑ یوسفِؑ آلِؑ عبا حسینؑ
پانی بھی مرتے دم نہ دیا تجھ کو شمر نے ہے ہے میرے حبیب میرے دلربا حسینؑ
رویا بھی آن کر نہ تیری لاش پر کوئی ہے ہے غریب و بے کس و بے آشنا حسینؑ
تربت بھی بعدِ قتل نہ تجھ کو ہوئی نصیب ہے ہے ترا بدن ہے جدا سر جدا حسینؑ
دوڑائے تیری لاش پہ گھوڑے لعینوں نے گذری ہے کس شہید پہ ایسی جفا حسینؑ
اُٹھ کر خبر تو لو کہ سکینہؑ ہے ننگے سر بلوائے عام میں ہے بہن بے رِدا حسینؑ
پُرسانِ حال ہند میں اس کا کوئی نہیں مونسؔ کو کربلا میں بلا لیجے یا حسینؑ

اُستاد قمر جلالوی کی سلام گوئی کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر وفا نقوی

سیّد محمد حسین کی ولادت ۱۸۸۶ء میں قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ اتر پردیش میں ہوئی اور ان کی وفات ۱۹۶۸ء میں کراچی پاکستان میں ہوئی۔ شاعری کی دنیا میں انھیں بڑے ادب و احترام سے استاد قمرؔ جلالوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھوں نے عہدِ طفلی سے ہی گیسوئے اردو ادب سنوارنے کا بیڑا اٹھایا اور شعر و سخن کی دنیا میں دھوم مچادی۔ انھوں نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور اپنا ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ حمد، نعت، منقبت، سلام، مرثیہ، غزل، قوالی وغیرہ کے علاوہ دیگر اصناف کا بھی انھوں نے حق ادا کیا۔ یہی سبب ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح مقبول و معروف ہیں جس طرح اپنی حیات میں تھے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد انھوں نے پاکستان کو جائے سکونت قرار دیا لیکن ان کی شخصیت کا خاصہ یہ ہے کہ ان کے قلم کی جنبشوں اور کاوشوں کو کسی خاص صنف میں مقید نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی شخصیت کسی خاص خطۂ ارض تک محدود ہے۔ ان کے تلامیذہ نے علی گڑھ میں ''بزمِ قمرؔ'' قائم کر کے ان کی شعری فکر سے چراغ سے چراغ روشن کیے جو آج تک اپنی روشنی بکھیر رہے ہیں۔

ان کا مزاج گو کہ روایتی تھا اور وہ اس سلسلے سی میر انیسؔ کے پیرو کار نظر آتے ہیں لیکن اپنی مخصوص انفرادیت کو بھی وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سلام آج بھی مجالسِ عزا میں خصوصاً محرم کے دوران خوش لحن حضرات کبھی سوز خوانی میں تو کبھی پیش خوانی میں پڑھتے رہتے ہیں جن کو سامعین نہایت پسند کرتے ہیں۔ استاد قمرؔ جلالوی کے سلاموں کی خصوصیات میں سے دو ممتاز خصوصیات یہ ہیں کہ ان کی بحریں مترنم ہیں اور وہ سہلِ ممتنع سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کے سلاموں میں غزلیہ رنگ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ مثلاً:

نہ کہیں یہ تیرا دل ہے نہ کہیں ترا جگر ہے — جو ہے خاص لذّتِ غم تجھے اس کی کیا خبر ہے
تجھے درد کی خبر کیا مجھے درد کی خبر ہے — ترا اور چارہ گر ہے مرا اور چارہ گر ہے
ترا دعویٰ محبّت رہا آج تک زبانی — نہیں آنکھ میں جب آنسو تو فریب سر بہ سر ہے

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ انھیں کسی دلکش آواز میں خوش گلو افراد پڑھ کر سامعین کو نہایت متاثر کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے جو مضامین ہیں وہ غزل کے مضامین سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ لیکن سلام عقیدتِ اہلِ بیتؑ سے معمور صنفِ سخن ہے تو استاد قمرؔ جلالوی نے اس کا خاص خیال رکھا ہے ان کے سلام جا بجا ذکرِ مولائے کائنات سے مزیّن ہیں۔ وہ اپنے بیشتر سلاموں میں منقبتِ مولائے کائنات پر مبنی اشعار کہتے ہیں۔ ظاہر ہے جس سے حضرت علیؑ سے مودّت رکھنے والا شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں:

بیٹھا ہے مشکلات کے رستے پہ ہار کے اُو بدنصیب دیکھ علیؑ کو پکار کے
مرحب کا قتل بھی کوئی خیبر میں قتل تھا پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے
تم نے کیا پیدائشِ حیدرؑ سے بھی جانا نہیں اے بتوں اللہ کا گھر ہے یہ بت خانہ نہیں
خونِ مرحب سے کھلے کیا قبضۂ ضربِ علیؑ یہ تو افسانے کی اک سرخی ہے افسانہ نہیں
ساقیِٔ کوثر خدا رکھے تری دریا دلی اتنی مئے بھر دی کہ جتنا میرا پیمانہ نہیں
مرتضیٰؑ کو خانہ زادِ ربِّ اکبر دیکھ کر بیاہ دی بیٹی پیمبرؐ نے بڑا گھر دیکھ کر
جب بھی اٹھے گا نبیؐ کی جانشینی کا سوال فیصلہ ہوگا شبِ ہجرت کا بستر دیکھ کر
وہ تو یوں کہیے کہ آپہنچے مدینے سے علیؑ ورنہ لوٹ آئے بہت سے بابِ خیبر دیکھ کر
زوجِ زہراؑ کا پتہ معلوم تھا ورنہ قمرؔ عرش سے آیا ستارہ سینکڑوں گھر دیکھ کر
منتظم کعبے کا آ پہنچا صفائی کے لیے اے بتوں اب اور گھر ڈھونڈو خدائی کے لیے
آئے کعبے کی زمیں پر جب سے حیدرؑ کے قدم جائے سجدہ بن گئی ساری خدائی کے لیے
چیرتے ہیں کلّۂ اژدر کو جھولے میں علیؑ آج پہلی مشق ہے خیبر کشائی کے لیے
دو کیا مرحب کو جب حیدرؑ نے بولی ذوالفقار ہاتھ ایسا چاہئے تیغ آزمائی کے لیے

ان اشعار سے شاعر کی جہاں عقیدت کے جوہر کھلتے ہیں وہیں فنی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس نکتے سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ اہلِ بیتؑ کے ماننے والے اشخاص اہلِ بیت کے ذکر کو سن کر کس قدر محظوظ ہوتے ہیں۔ اور انھیں اس کا بھی بخوبی علم ہے کہ صنف سلام کے تقاضے کیا ہیں۔ یعنی کس طرح واقعۂ کربلا تک پہنچنے کے لیے یا گریہ وزاری کے لیے فضا ہموار کی جاتی ہے۔ گویا کہ منقبتِ حضرت علیؑ پر مبنی اشعار جہاں ان کی عقیدت کی عکاسی کرتے ہیں وہیں وہ ان کو رثائی مضامین تک پہنچنے کی ایک تمہید بھی بنا دیتے ہیں۔

ان کو مشکل کشاء حضرت علیؑ کی مشکل کشائی پر یقینِ کامل ہے۔ جو ایک سچے مومن کی دلیل اور ایک حقیقی عقیدت مند کا خاصہ ہے۔ لہٰذا وہ نہایت پُراعتماد لہجے میں جابجا آخرت کی منزل کی حوالے سے خود کی بخشش کا سہارا مولا علیؑ کو مانتے ہیں۔ شعر ہے:

مجھ سے جو چاہیں لحد میں پوچھیں اب منکر نکیر آ گئے مولا مری مشکل کشائی کے لیے

جانے سوال کیا ہوئے تربت میں اے قمرؔ چپ ہوگئے تھے ہم تو علیؑ و پکار کے

ظاہر ہے رقم کیے گئے دونوں اشعار اس بات کی دلیل ہیں کہ انھیں مولا علیؑ کی محبّت پر کتنا بھروسہ ہے۔

ان کے سلاموں میں حضرت علیؑ کی منقبت خوانی کے بعد شہیدِ کربلا حضرت امام حسینؑ سے اظہارِ عقیدت و مودّت نظر آتا ہے اور وہ بیشتر مقامات پر ان کی عظمت بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

شہؑ کو تقدیریں بدلنے میں کہاں لگتی ہے دیر شب کو کیا تھی صبح کو کیا حرؑ کی قسمت ہوگئی

یعنی وہ حرؑ کے واقعے کے بیان کے ساتھ ساتھ راہب کے واقعے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں اور پریشاں دلوں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ امام حسینؑ کو مقدّر بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔

وہ امام حسینؑ کی عاشورہ کے روز وقتِ عصر کی نماز بھی یاد کرتے ہیں اور اس کے توسّل سے عظمتِ امام حسینؑ بیان کرتے ہیں۔شعر ہے:

ہے نمازِ عصرِ شاہِؑ دیں کی ناممکن نظیر ایک سجدے میں دو عالم کی عبادت ہوگئی

یوں تو سلام گوئی یا دیگر تقدیسی شاعری کی اقسام قدم قدم پر تلمیحات کے سہارے سے اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں لیکن پھر بھی کچھ خاص تلمیحات ایسی ہوتی ہیں جن کا برتنا شاعر کے لیے ضروری قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس کا حق ادا کرنا آسان نہیں۔مثلاً۔معراجِ رسولؐ کا ذکر یا شق القمر کا واقعہ۔لیکن جب ہم استاد قمرؔ جلالوی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ یہاں بھی اپنی انفرادیت کا لوہا منواتے ہیں۔شعر ہے:

یہ معجزہ ہے عرش پہ آئے گئے رسولؐ نقشِ قدم مگر نہ ملے رہ گزار کے

ظاہر ہے اگر کوئی ہستی کسی مقام سے کسی منزل تک کا سفر طے کرتی ہے تو اس کے قدموں کے نشانات یا اس کے جانے کا ثبوت آسانی سے فراہم ہو جاتا ہے لیکن اگر سفر معجزاتی ہو تو نشانات سفر اور قدموں کے نشان کا ہونا لازم نہیں۔ایسا ہی سفر معراجِ رسولؐ کا سفر تھا۔جس کو مندرجہ بالا شعر میں استاد قمرؔ جلالوی نے نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

رسولؐ کا جہاں معراج معجزہ ہے وہیں ان کی ذاتِ عقدس سے ''شقّ القمر'' کا واقعہ بھی منسلک ہے۔آپ ''شافعِ محشر'' بھی ہیں یعنی آپ کی شفاعت کے بغیر کوئی جنّت میں نہیں جا سکتا۔استاد قمرؔ جلالوی نے ان دو تلمیحات کو ایک ہی شعر میں نہایت خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔کہتے ہیں:

قمرؔ صورت نہ تھی بخشش کی کوئی بھی سرِ محشر سفارش گر نہ ہو شق القمر والے پیمبرؐ کی

چونکہ استاد قمرؔ جلالوی ایک بہترین مرثیہ گو بھی تھے اور مرثیہ اپنے مختلف اجزائے ترکیبی کے ساتھ ساتھ منظر نگاری اور ڈرامائی کیفیتوں سے بھی انسلاک رکھتا ہے جس کو سلام میں پیش کرنا آسان نہیں لیکن ایک باکمال شاعر کے لیے اس میں کوئی دشواری نہیں۔استاد قمرؔ جلالوی ایسے ہی باکمال شاعر ہیں جنھوں نے اپنے سلاموں میں متعدد مقامات پر شاعرانہ مشاقی سے کام لیتے ہوئے الفاظ سے تصویریں بنانے کا کام انجام دیا ہے۔مثلاً:

سینہ تانے پھر رہے ہیں جوش میں زینبؑ کے لال ننّھے ننّھے نیمچے دریا پہ چمکاتے ہوئے

بہادر افراد یا سپاہی حضرات جس طرح جنگ کرتے وقت اپنے جوش وجذبے کا اظہار کرتے ہیں اس کی مکمل تصویر کشی اس شعر میں موجود ہے۔استاد قمرؔ جلالوی کا ہنر یہ بھی ہے کہ وہ جہاں منظر کشی کرتے ہیں وہیں بہترین جذبات نگاری سے بھی کام لیتے ہیں جس میں انسان کی نفسیات اور اس کی معاشرتی زندگی چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ گھروں کے بڑوں یا بزرگوں کا کردار اپنے چھوٹوں کے لیے کیسا ہوتا ہے۔اگر گھر کے کسی فرد کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو گھر کا سربراہ اسے حکمتِ عملی اور نہایت مشفقانہ انداز سے دور کرنے کی کوشش کرتا

ہے۔امام حسینؑ اپنے کنبے کے سردار تھے حضرت عباسؑ ان کے چھوٹے بھائی تھے۔دونوں کے باہمی رشتوں کو استادقمؔر جلالوی نے بہترین منظرکشی اوراور جذبات نگاری کے توسل سے پیش کیا ہے کہتے ہیں:

غیظ کس پر آگیا جو پیار کرکے شاہِؑ دیں لائے ہیں عباسؑ کو خیمہ میں سمجھاتے ہوئے

حضرت عباسؑ جس طرح امام حسینؑ کا احترام کرتے تھے وہ تاریخ میں پوشیدہ نہیں۔انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ امام حسینؑ کا غلام سمجھا اور ان سے اسی طرح پیش آئے جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے پیش آتا ہے۔شعر ہے:

ادب حسینؑ کا کرتے ہیں اس طرح عباسؑ کہ اپنے آقا کو جیسے کرے غلام سلام

مرثیہ کے اجزائے ترکیبی میں ''رجز'' کی اہمیت بھی اپنی مثال آپ ہے۔ضروری نہیں کہ سلام میں بھی اس کو پیش کیا جائے کیوں کہ ہر شاعر اس کا اس کا حق ادا نہیں کرسکتا لیکن کمال ہے کہ استادقمؔر جلالوی نے اس جزو کو بھی اپنے سلام کی زینت بنایا ہے اور اس کا حق ادا کیا ہے۔کہتے ہیں:

کہتے تھے عباسؑ میں سقّہ ہوں فوجِ شاہؑ کا خون کے دریا بہا دوں گا ترائی کے لیے

یعنی جب حضرتِ عباسؑ پانی کی سبیل کرنے کے لئے گئے تو انھوں نے اشقیاء کو اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے اپنے مقصد اوراپنی بہادری کا اعلان کیا۔اسی طرح استادقمؔر جلالوی امام حسینؑ کے سلسلے سے شعر کہتے ہیں:

فوج نے جمنے کا جب وعدہ کیا بولے حسینؑ بھاگنے والے کبھی ثابت قدم ہوتے نہیں

اردو ادب کی کوئی بھی صنف ہو اگر اس میں صنعتوں سے کام نہ لیا جائے یا الفاظ کی مناسبت کا دھیان نہ رکھا جائے تو وہ محض موزوں الفاظ کا اجتماع تو ہوسکتی ہے لیکن قابلِ ستائش اس وقت ہوگی جب وہ چونکانے کا کام انجام دے۔یعنی اس میں انوکھا اسلوب نظرآتا ہو۔ایک عام شاعر ایک مضمون کو عام طرح سے بیان کرتا ہے بلکہ خاص مضمون بھی وہ معمولی طور پر پیش کرتا ہے لیکن ایک بڑا شاعر سامنے کے مضامین یا بارہا دوہرائے گئے مضامین یا عام مضامین کو بھی اپنی فنی صلاحیتوں سے غیر معمولی بنا کر اہلِ نقد ونظر سے داد وتحسین حاصل کرتا ہے۔استادقمؔر جلالوی بھی اسی نوعیت کے شاعر ہیں۔اس سلسلے سے ان کا ایک شعر دیکھیں:

لاکھ چھینٹے دے رہا ہے لشکرِ اعدا کا خون تیغ کے شعلے کسی صورت سے کم ہوتے نہیں

کسی مجاہد کی تلوار دشمنوں کو قتل کرتی ہے یہ ایک عام مضمون ہے اور اس مضمون کو رثائی ادب میں کم وبیش ہر شاعر نے اپنے اپنے طریقے سے بیان کیا ہے لیکن استادقمؔر جلالوی نے اس فرسودہ مضمون کو جس طرح جدت بخشی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ایک اچھا شاعر اپنی شاعری میں تشبیہات کے ساتھ ساتھ ان تمام وسائل کا استعمال کرتا ہے جس سے اس کا شعر مقبولِ خاص و عام ہوسکے۔استادقمؔر جلالوی اس ضمن میں بھی دیگر شعراء سے ممتاز نظرآتے ہیں۔ان کے یہاں بہترین تشبیہات کا استعمال نظرآتا ہے۔مثال کے لیے ایک شعر دیکھیں:

اشکِ غم چھوٹے بڑے اے چشمِ نم ہوتے نہیں دانۂ تسبیح جیسے بیش و کم ہوتے نہیں

ظاہر ہے کہ شعر میں اشکوں کو دانۂ تسبیح سے مثال دی گئی ہے۔کمال یہ ہے کہ اشک چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں لیکن اس حقیقت سے گریز کرتے ہوئے ان کی مثال تسبیح کے یکساں دانوں سے دی گئی ہے جس میں عقیدت وعظمت تسبیحِ فاطمہؑ بھی آشکار ہے۔وہ زائرانِ مرقدِ شبیرؑ کو پروانوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔کہتے ہیں:

ہجومِ زائرانِ مرقدِ شبیرؑ تو دیکھو ہوئی جب شمع گل تو کتنے پروانے نکل آئے

ساتھ ہی شمع گل کرنے کے پیرائے میں شبِ عاشور کا ذکر کرتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ پروانوں کا ہجوم اسی شمع پر نثار ہے جو شبِ عاشور گل کر دی گئی تھی۔وہ امامِ حسینؑ کے رخ کی زیارت کو قرآن کی تلاوت قرار دیتے ہیں۔کہتے ہیں:

روئے فرزندِ پیمبرؐ کی زیارت ہوگئی اک نظر میں پورے قرآں کی تلاوت ہوگئی

ان کے یہاں قدم قدم پر الفاظ کی مناسبت کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ایک شعر اس سلسلے سے پیش ہے:

سحر بھی تجھ سے روشن حسینؑ شام بھی ہے کہ آفتاب بھی ہے تو مہِ تمام بھی ہے

ظاہر ہے لفظ ''سحر'' اور ''شام'' کی مناسبت سے اگلے مصرعے میں ''آفتاب'' اور ''مہِ تمام'' کی ترکیب لائی گئی ہے جس سے شعر کی گہرائی وگیرائی میں اضافہ ہوا ہے۔

خوبصورت اور جاذب نظر تراکیب بھی ہمیشہ سے اردو شاعری کے دامن میں نظر آتی ہیں۔ایک ذہین وفطین شاعر جسے اپنی انفرادیت کا پاس رکھنا اچھی طرح آتا ہے وہ عام تراکیب سے ہٹ کر انوکھی اور منفرد تراکیب کا انتخاب کرتا ہے۔استاد قمرؔ جلالوی قسم قسم کی خوبصورت تراکیب استعمال کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔مثلاً ان کے یہاں ''باغِ جوانی'' اور ''فلکِ کج مدار'' جیسی تراکیب کا استعمال دیکھنے کے لائق ہے۔دو اشعار دیکھیں:

اکبرؑ تمھارا باغِ جوانی اُجڑ گیا لیلیٰ نے چار دن بھی نہ دیکھے بہار کے

تاریکیاں یہ شامِ غریباں کی اے قمرؔ تارے بھی چھپ گئے ہیں فلکِ کج مدار کے

دلکش تراکیب کے ساتھ ساتھ استاد قمرؔ جلالوی اپنے سلاموں میں محاوروں کا بھی برمحل استعمال کرتے ہیں۔جس سے ان کی فکرِ رسا کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔کہتے ہیں:

اصغرؑ جگر کو تھام کے روتی ہے کائنات تم تیر کھاکے آئے ہو یا تیر مار کے

ظاہر ہے ''تیر مارنا'' محاورہ ہے اور یہ کسی بڑے کارنامے کی دلیل ہے۔یہاں ''تیر مارنا'' کی وجہ سے شعر کی وسعت اس لیے اور بڑھ گئی ہے کیوں کہ حضرت علی اصغرؑ واقعۂ کربلا کے وہ مجاہد ہیں جنھوں نے کمسنی کے عالم میں گلے پر مسکرا کر تیر کھایا اور یہ منظر دیکھ کر فوجِ اشقیاء تک آنسو بہانے لگی۔

کسی غم میں رونا اشک فشانی کرنا فطرت کا عین تقاضہ ہے ایک حساس دل کسی کی مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتا اور اگر غم اہلِ بیتؑ کا ہو تو محبّانِ اہلِ بیتؑ کی آنکھوں سے آنسو نہ نکلیں یہ ممکن ہی نہیں لیکن بعض افراد اس غم پر طنز کرتے ہیں یا مصیبتِ اہلِ بیتؑ پر رونے سے منع کرتے

ہیں۔تقدیسی شعراء نے اپنے کلام میں ان کا مدلل جواب دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ غمِ حسینؑ میں رونا ایمان کی نشانی ہے۔استاد قمرؔ جلالوی بھی غمِ امام حسینؑ میں گریہ وزاری کو فوقیت دیتے ہیں۔کہتے ہیں:

مرے غم سے تجھ کو غم کیا تجھے کیوں ہے فکر میری مرے لب ہیں میرے نالے مرا ہاتھ میرا سر ہے

غمِ پاکِ شاہِؑ دیں میں ہے جوازِ اشک باری میں بہا رہا ہوں آنسو یہ طہارتِ نظر ہے

گویا کہ استاد قمرؔ جلالوی کے یہاں غمِ حسینؑ میں آنسو بہانا طہارتِ نظر کی بھی دلیل ہے۔

سلام ایک ایسی صنف ہے جو غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی ہے۔ساتھ ہی اس میں اخلاقیات، اسلامیات، حمد ونعت ومنقبت کے اشعار بھی ہوتے ہیں گویا کہ یہ ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں ہر طرح کے خوبصورت اور مقدس پھول ہوتے ہیں جو اپنی دلکشی سے متاثر کرتے ہیں لیکن اس گلدستے میں کچھ مرجھائے ہوئے پھول بھی ہوتے ہیں جو سلام کا اصل حسن قرار دیئے جاسکتے ہیں۔یہ مرجھائے ہوئے پھول بہ الفاظِ دیگر رثائیت سے ملبوس ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مجلسِ عزا میں مرثیہ کے لیے فضا تیار ہوتی ہے اور ہر بڑا شاعر اس کو بڑی خوبصورتی اور مہارت سے نبھاتا ہے۔استاد قمرؔ جلالوی کے یہاں سلاموں میں یہ حصّہ کچھ کم ہے لیکن جتنا ہے وہ نہایت پُرتاثیر ہے اور قارئین یا سامعین کی آنکھوں کو نم اور ان کے دل کو غم زدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔نمونے کے بطور کچھ اشعار حسبِ ذیل ہیں:

خون میں ڈوبے ہوئے اصغرؑ ہیں شہؑ کی گود میں اے قمرؔ کیا چاند سی صورت کی صورت ہوگئی

قضا بولی علی اصغرؑ کو جب میدان میں دیکھا کہ تم بھی حلق پر تیرِ ستم کھانے نکل آئے

بے کسی حادثۂ گردنِ بے شیر میں ہے گزرے تیرہ سو برس خون ابھی تیر میں ہے

ظہر کا وقت بدن چور خیالِ زینبؑ اب یہ عالم ہے کہ رعشہ تنِ شبیرؑ میں ہے

جائیں فریادِ سکینہؑ پہ مدد کو کیوں کر پاؤں تو حضرتِ سجادؑ کے زنجیر میں ہے

کہہ کے روتی تھی سکینہؑ دیکھ کر سوئے فلک تازیانے اور مرے بیمار بھائی کے لئے

کہیں کہیں وہ سلام کو نوحے کے رنگ میں بھی پیش کرتے ہیں یعنی سلام کا آغاز ہی رثائیت سے کرتے ہیں۔مثال کے لئے ایک مطلع دیکھیں:

غل اہل مدینہ میں ہے بپا شبیرؑ مدینہ چھوڑتے ہیں کب دیکھیے واپس لائے خدا شبیرؑ مدینہ چھوڑتے ہیں

اس کے علاوہ ان کے سلاموں میں تسلسل بھی پایا جاتا ہے مثلاً کسی شعر میں وہ کسی کردار کا ذکر کرتے ہیں تو لگاتار اس سے متعلق کئی اشعار کہتے چلے جاتے ہیں جس سے واقعاتی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔مثلاً:

کیا حال ترا ہوگا صغرا شبیرؑ مدینہ چھوڑتے ہیں
ہمسایوں کے لب پر ہیں یہ سخن، بیمار ہے تو اکبرؑ کی بہن

صغریٰؑ تری کیونکر ہوگی دوا شبیرؑ مدینہ چھوڑتے ہیں
ہمجولیاں کہتی ہیں آکر رہتا ہے تجھے تپ آٹھ پہر

تاریخ شاہد کے امام حسینؑ نے مدینے سے ہجرت کی مکّہ پہنچے اور پھر کربلا ان کی منزل ہوئی لیکن اپنے ساتھ اپنی پیاری دختر فاطمہ صغراؑ کو نہ لے جاسکے یہ تاریخی واقعہ تفصیل سے مرثیوں میں بیان ہوا ہے لیکن سلام میں اس کو بیان کرنا آسان نہیں کیوں کہ اس سلسلے سے تسلسل قائم رکھنا آسان نہیں۔مگر جب ہم استاد قمرؔ جلالوی کے سلاموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے یہاں واقعاتی تسلسل کا حسن برقرار رہتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں اشعار میں نظر آتا ہے۔

غرض کہ استاد قمرؔ جلالوی کی سلام گوئی کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔مختصر طور پر کہا جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر ایک ایسے شاعر ہیں جن کے سلاموں میں غزل کے رنگ کے ساتھ ساتھ خوبصورت الفاظ کا خوبصورت استعمال ہے اور ان کا اسلوب نادر و منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ جاذبیت و جالبیت کا متحمل ہے۔ان کے یہاں روانی اور سہلِ ممتنع کی بہترین مثالیں نظر آتی ہیں۔وہ انوکھی تراکیب کو انوکھے انداز میں اپنی شاعری کا حصّہ بناتے ہیں اور بہترین تشبیہات سے کام لینے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے ہر سلام میں عقیدت کے سینکڑوں سورج روشن نظر آتے ہیں جن میں ان کے عقیدے کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔انھوں نے کسی حد تک سلاموں میں مرثیے کے اجزائے ترکیبی نبھانے کی بھی کوشش کی ہے۔جس کی وجہ سے ان کے اشعار جذبات نگاری اور واقعہ نگاری کا بہترین مرقع بھی نظر آتے ہیں۔

فرہنگِ مونسؔ

زیرِ طبع

ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

مونسؔ کے مرثیے

(جلد ۱۔۳)
زیرِ طبع

ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

اشاریۂ دبیرؔ

زیرِ طبع

ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

رثائے عقل کا بیانیہ

عقیل ملک

ادب کسی بھی تہذیب کی ایسی روح ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ رنگ، پیرہن اور لب ولہجہ بدلتی رہتی ہے مگر اپنے جوہر میں ہمیشہ سچائی، صداقت اور احساس کی شفافیت کو سمیٹے رکھتی ہے۔ اسی ادب کا ایک معتبر، منفرد اور تہذیبی شعور سے لبریز حصہ رثائی ادب ہے جو برصغیر کی فکری روایت میں مرثیہ کی صورت میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آج اکیسویں صدی میں مرثیہ کہاں کھڑا ہے؟ کیا وہ روایت جو کبھی زبان و بیان کی نزاکت، عقیدت کی گہرائی اور تہذیبی وقار کی علامت تھی اب محض ایک رسم بنتی جا رہی ہے؟ مرثیہ صرف کربلا کا بیان نہیں، انسانیت کی بقا کا بیانیہ ہے۔ عہدِ موجود میں رثائی ادب نے ایک ایسا رخ اختیار کیا ہے جو محض جذباتی اظہار کی سطح تک محدود ہو چکا ہے۔ نوحہ خوانی اب محض ایک سماعتی تجربہ بن کر رہ گئی ہے جس کا مقصد صرف سامع تک شاید غنا پہنچانا ہی رہ گیا ہے۔ اس فن کے اندر جو فکری، لسانی اور تہذیبی نزاکتیں تھیں وہ رفتہ رفتہ مفقود ہوتی جا رہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج مرثیہ کا قاری تقریباً ناپید ہو چکا ہے اور اب فقط سماعت کی دہلیز پر دم توڑتا محسوس ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب نوحہ رلاتا تھا اور مرثیہ جگاتا تھا۔ موجودہ دور میں مرثیہ نگاروں کی تعداد اس قدر کم ہو چکی ہے کہ انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ ایسے میں مرثیہ کہنا محض ایک ادبی مشق نہیں بلکہ ایک تہذیبی اور فکری فریضہ بن چکا ہے۔ ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ادبی روایت کی بات کو تو رہنے دیجے، اس کی بقا پر اظہارِ تشکر کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مرثیہ کہنے والے خال خال ہی سہی مگر ان میں چند ایسے نام ضرور ہیں جنہوں نے روایت کو محض سنبھالا ہی نہیں بلکہ اسے نئی جہات بھی عطا کی ہیں۔ انھیں خبر ہے کہ مرثیہ وہ آئینہ ہے جس میں تاریخ، تہذیب اور درد ایک ساتھ منعکس ہوتے ہیں۔ انہوں نے مرثیے کو صرف ایک تاریخی واقعے کی روداد نہیں رہنے دیا بلکہ اس میں عصرِ حاضر کی روح، انسان کے باطن کی تڑپ اور تہذیبی آگہی کا عنصر بھی شامل کیا ہے۔ اس صدی میں مرثیہ لکھنا ایک جرأت مندانہ عمل ہے۔ ایک ایسے قاری کے لیے لکھنا جو موجود ہی نہیں، ایک ایسی فضا میں شعر کہنے کی ہمت کرنا جہاں مذاقِ سخن مٹ چکا ہو اس بات کی دلیل ہے کہ مرثیہ نگار صرف شاعر نہیں بلکہ تاریخ کا محافظ، تہذیب کا نگہبان اور احساس کا مبلغ ہے۔ وہ اس باریک نکتے سے آشنا ہے کہ جس قوم کا مرثیہ مر جائے، اس کی تاریخ خاموش ہو جایا کرتی ہے۔

مرثیہ اب محض فنِ شاعری نہیں رہا بلکہ جمود، تغافل اور سطحیت کے خلاف ایک مزاحمت بن چکا ہے۔ اکیسویں صدی کے مرثیہ گو اگرچہ تعداد میں کم ہیں مگر ان کی فکری جہات اس بات کی دلیل ہیں کہ مرثیہ ابھی زندہ ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں روایت کے احترام اور تجدید کے تقاضوں کو ساتھ ساتھ نبھایا ہے۔ ان کے ہاں جذبہ محض آہ و فغاں تک محدود نہیں بلکہ ایک فکری تلاطم، ایک جذباتی صداقت اور ایک تہذیبی استقامت کی صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ آج مرثیہ لکھنے کی ہمت کر رہے ہیں وہ کسی معمولی سفر پر روانہ نہیں

ہوئے بلکہ خود کو اس بحرِ ادب میں غوطہ زن کر دیا ہے جس کی گہرائیاں آج کی سطحی دنیا کو شاید نظر نہ آئیں۔ میرے نزدیک مرثیہ کہنا فن نہیں حوصلہ ہے اور سننا سماعت نہیں بصیرت ہے۔ وقت کا قلم گواہ ہے کہ ایسے ہی لوگ تہذیب کو زوال سے بچاتے ہیں، ایسے ہی افراد فن کو فنونِ لطیفہ میں شامل رکھتے ہیں اور ایسے ہی دل کربلا کے پیغام کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مرثیہ، درحقیقت صرف ایک سانحے کی شعری بازگشت نہیں بلکہ احساس کا تسلسل ہے، تاریخ کی صداقت ہے اور ایک جمالیاتی طرزِ بیان ہے جس کے دامن میں ادب، عقیدت اور آگہی یکجا ہیں اور جب تک کوئی ایک بھی فرد اس روایت کو تھامے کھڑا ہے، مرثیہ کا چراغ بجھ نہیں سکتا۔

جب اظہار کے وسائل میں تنوع مفقود ہو جائے تو تخلیق دم توڑنے لگتی ہے۔ مرثیہ گوئی کی روایت جو کبھی انیس و دبیر کی صورت میں فصاحت و بلاغت، اخلاقی و فکری دردمندی اور تہذیبی شان کا مرقع تھی، وقت کے دھارے میں بدلتی چلی گئی۔ اس روایت کا خمیر فقط گریے سے نہیں بلکہ فہم، فلسفہ اور صداقت کے بیان سے اٹھا تھا۔ مگر بعد ازاں رفتہ رفتہ ایک عمومی رجحان ایسا بھی قائم ہوا جس میں مرثیہ گوئی مصائب کی شدت کے بیان اور گریہ انگیزی کے محدب خول میں بند ہوتی چلی گئی۔ یہ کہنا ہرگز مناسب نہیں کہ تمام مرثیہ صرف رونا رلانا تھے مگر اتنا ضرور ہے کہ اکثر معاصر مراثی اس خطِ مستقیم پر چل نکلے جس کا انجام صرف جذباتی تاثرات پر ہوتا ہے نہ کہ فکری بیداری پر۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں عادل مختار کا زاویہ قابلِ توجہ ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے مرثیہ کو فقط آنسو کی زبان نہیں رہنے دیا بلکہ عقل کی لہجہ بند تصویر بنانے کی سعی کی۔ عادل مختار کا مجموعہ رثائے عقل ایک تعقلی جہت کی علامت بن کر سامنے آتی ہے۔ یہ صرف ایک تخلیقی مجموعہ نہیں بلکہ ایک فکری احتجاج ہے۔ ایک خاموش مگر بیدار جو مرثیے کو اس کی فکری اساس کی طرف واپس لوٹانے کی دعوت دیتی ہے۔ عادل مختار کا اسلوب، مرثیے کو صرف جذباتی وابستگی کی سطح پر نہیں چھوڑتا بلکہ تاریخی تفہیم، عقلی تجزیے اور سماجی و اخلاقی شعور کی سمت لے جاتا ہے۔

رثائے عقل میں پیش کردہ مراثی مصائب کو محض آنسو بہانے والے مناظر کی صورت میں پیش نہیں کرتے بلکہ ان کے پیچھے موجود فضا، اسباب اور پس منظر کو نقش کے مانند ذہن پر ثبت کر دیتے ہیں۔ عادل مختار نہ صرف یہ جانتے ہیں کہ المیہ کیا ہے بلکہ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ المیے کے پیچھے کون سا نظام، کون سی خاموشی اور کون سا ظلم کارفرما ہوتا ہے۔ وہ مرثیہ نگار کی حیثیت سے قاری سے صرف ہمدردی یا آنسو کا تقاضا نہیں کرتے بلکہ فہم، ردعمل اور فکری شراکت کی توقع رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں مرثیہ ایک ایسے آئینے کی صورت اختیار کرتا ہے جو محض ماضی کے عکس نہیں دکھاتا بلکہ حال کی حقیقت اور مستقبل کی سمت بھی متعین کرتا ہے۔ وہ کربلا کو فقط ظلم و ستم کی کہانی نہیں بننے دیتے بلکہ اس میں سماج کی خاموشی، مذہبی تنگ نظری، طاقت کی بدمستی اور اصولوں سے انحراف کو موضوع بناتے ہیں۔ اس اندازِ فکر نے مرثیہ کو محض ادب کی ایک صنف سے بلند کر کے ایک تہذیبی بیانیے میں تبدیل کر دیا ہے۔ رثائے عقل کے مراثی اس فنی نزاکت سے بھی خالی نہیں جو مرثیہ گوئی کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ ان کی زبان میں رنگینی نہیں وقار ہے، مبالغہ نہیں تاثر ہے اور تشبیہ و استعارہ کی وہ تہذیبی شائستگی ہے جو کلاسیکی مرثیہ کی روح کو برقرار رکھتی ہے۔ ان کے ہاں سوز بھی ہے مگر وہ سوز جو قاری کو محض بے چین نہیں کرتا بلکہ بیدار بھی کرتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عادل مختار نے مرثیے کو مسلسل گریہ سے نکال کر ایک شعوری اور تعقلی مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ انہوں نے ہمیں یاد دلایا کہ مرثیہ فقط ایک شعری صنف نہیں بلکہ ایک فکری سفر ہے۔ وہ سفر جو کربلا سے شروع تو ہوتا ہے مگر ہر اُس سماج تک پہنچتا ہے جہاں ظلم کی علامات باقی ہیں، جہاں سچ کی زبان کٹتی ہے اور

جہاں خاموشی جرم بن جاتی ہے۔رثائے عقل ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم مرثیہ کو پھر سے پڑھیں،صرف دل سے نہیں بلکہ ذہن سے بھی۔یہ کتاب ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم مرثیے کو فقط روایت کی وراثت کے طور پر نہ دیکھیں بلکہ ذمہ داری کے بیانیے کے طور پر سمجھیں۔اور یہی وہ لمحہ ہے جہاں مرثیہ ایک عقلی،شعوری اور تہذیبی وجود کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوسکتا ہے۔

''رثائے عقل'' کا پہلا مرثیہ ''عقلِ سرخ'' اسی نئی فکری زمین پر اگنے والا ایک تخلیقی پودا ہے جو مرثیے کو صرف ایک صوتی تجربہ نہیں بلکہ تعقلی بیداری کا آلہ بناتا ہے۔مرثیہ ''عقلِ سرخ'' عادل مختار کے مرثیہ مجموعے ''رثائے عقل'' کا پہلا اور بنیادی مرثیہ ہے جو محض واقعۂ کربلا کی تمثیلی پیشکش نہیں بلکہ انسانی شعور،تہذیبی شناخت اور فکری جمود پر ایک عمیق تنقید ہے۔''عقلِ سرخ'' اسی زاویے کی مؤثر مثال ہے جہاں مرثیہ گوئی ایک نئے فکری منظرنامے میں جلوہ گر ہوتی ہے۔مرثیے کی ابتدا ''دشتِ بلائے ذہن کے پُراسرار اور ہولناک استعارے سے ہوتی ہے:-

دشتِ بلائے ذہن ہے بے دجلۂ یقیں ہر سمت ہے پئے نظر ابہام آفریں
ہے طیلسانِ وہم کوئی آسماں نہیں ہے منجمد خیال یہاں عرصۂ زمیں

یہاں شاعر ایک ایسی فضا تراشتا ہے جو قاری کو محض سامع نہیں بلکہ متفکر بناتی ہے۔''دشتِ بلائے ذہن'' محض کوئی خارجی بیابان نہیں بلکہ اس ذہنی وفکری خلا کا مظہر ہے جہاں یقین کا دجلہ سوکھ چکا ہے اور ہر سمت ابہام کی تپتی ریت ہے۔ان اشعار میں استعارات کی تہذیبی نفاست اور تخیل کی رمزیت اس قدر گہری ہے کہ قاری کو نہ صرف حواس کی سطح پر جھنجھوڑتی ہے بلکہ عقل کے گنبد میں ارتعاش پیدا کرتی ہے۔''عقلِ سرخ'' کا بیانیہ ایک ایسے سفر پر مبنی ہے جو ذہنی دشت میں حیران وسرگرداں ہے۔ہر سمت تاریکی ہے اور ہر روشنی اپنی معنویت کھو چکی ہے۔زمان ومکان کا جبر،تہذیبی جمود اور اخلاقی بے وزنی مل کر ایک ایسا ماحول تشکیل دیتے ہیں جس میں فکر نہ صرف ناکارہ ہوجاتی ہے بلکہ اس کا انجام خود اس کے سوالات کی زد میں آجاتا ہے۔اس منظرنامے میں شاعر ایک متوازی طاقت عقلِ سرخ کو متعارف کرواتا ہے۔یہ محض ایک شعری علامت نہیں بلکہ ایک تعقلی تحریک ہے جو ذہن کی بے سمتی کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔عقلِ سرخ امام حسین کے تصور سے جڑی ایک فلسفیانہ تشریح بھی ہے۔شاعر امام کو ایک ایسے محرک کے طور پر پیش کرتا ہے جو انسانی شعور میں رائج جمود،ابہام اور شک کی دیوار کو توڑ کر یقین، حرکت اور بیداری کی روشنی کو ممکن بناتا ہے۔یہاں کربلا کی جنگ فقط نیزوں اور تلواروں کی جنگ نہیں بلکہ ایک فکری محاذ ہے جہاں امام حسین عقل کو اس کے اعلیٰ ترین منصب یعنی ''اِدراکِ حق'' کی طرف لے جانے والی قوت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔شاعر نے ظلمت کا ذکر کرتے ہوئے تہذیبی زوال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

تاریک سورجوں کی شعاعیں رقم ہوئیں دشتِ بلائے ذہن کی ظلمت نہیں کہیں
محفوظ ہیں مذاہب و تہذیب کے نگیں اس ریگزارِ ذہن کی تاریخ کچھ نہیں
تاریخ ، شرق و غرب شمال و جنوب کی تاریک سورجوں کے طلوع و غروب کی

یہاں شاعر واضح کرتا ہے کہ وہ تاریخ جس پر انسانی تہذیب ناز کرتی آئی ہے دراصل تاریکی کے طلوع وغروب کی روداد ہے۔ایسے میں

عقلِ سرخ، شعور کی آنکھ میں پہلی بار وہ چمک پیدا کرتی ہے جو ماضی کے مہمل فخر کو رد کر کے بصیرت کی بنیاد رکھتی ہے۔ مرثیے میں عقلِ سرخ ایک مابعد الطبیعیاتی علامت کے طور پر بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ وہ بغاوت ہے جو صدیوں پر محیط جمود کو توڑتی ہے اور شعور کے بند دریچوں کو ضربِ حق سے وا کرتی ہے۔ یہ عقل، محض ادراک نہیں، ایک صریح اعلان ہے کہ کربلا فقط ماتم نہیں، مزاحمت کا استعارہ ہے۔:

اک گردِ سرخ اٹھی ہے ظلمت کو چیر کر تحریک کے غبار سے ابھرا ہے ایک سر
بے دوش سر سناں پہ جسے اوجِ ہوش ہے ہر موجِ گردِ سرخ کہ جس سر کو دوش ہے

یہ وہ لمحۂ انکشاف ہے جہاں حسینؑ کا سر بریدہ وجود عقل کی کامل بیداری بن جاتا ہے۔ یہاں سرخ گرد، تحریک کی علامت نہیں بلکہ اس تحریک کی تعقلی اساس ہے جو ہر دور کے شعور پر سوال اٹھاتی ہے۔ عقلِ سرخ دراصل وہ معرفت ہے جو سناں کی نوک پر بھی جھکنے سے انکار کرتی ہے اور شعور کو پابندِ روشنی کرتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ''عقلِ سرخ'' فقط مرثیہ نہیں بلکہ ایک فکری صحیفہ ہے۔ ایک ایسا بیانیہ جو رونے سے آگے دیکھنے اور سننے سے بڑھ کر سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں امام حسینؑ صرف ایک مظلوم نہیں بلکہ عقلِ کُل کے نمائندہ اور ہر ذہنِ خام کے لیے ایک روشن دلیل ہیں۔

اگر ''عقلِ سرخ'' ہمیں کربلا کو ایک فکری بیداری کی علامت کے طور پر دیکھنے کا شعور دیتا ہے تو ''عقلِ اشکبار'' وہ منزل ہے جہاں یہ بیداری ایک داخلی کرب میں تحلیل ہو کر ایک ایسے جمالیاتی تجربے میں ڈھل جاتی ہے جو آنکھ سے بہنے والے آنسو کو محض جذبات کی کمزوری نہیں بلکہ عقل کی بلند ترین نمود میں بدل دیتی ہے۔ پہلا مرثیہ جہاں شعور کی خوابیدہ سطح پر ایک فکری ضرب تھا وہاں دوسرا مرثیہ اس شعور کی داخلی تپش کا آئینہ ہے۔ وہ رات جس پر تاریخ خاموش ہے وہاں شاعر کا تخیل چراغ لے کر داخل ہوتا ہے اور وہ ساعتیں دریافت کرتا ہے جنہیں روایتیں بھلا بیٹھی تھیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عادل مختار مرثیہ نگاری کو صرف عقل کی بیداری نہیں بلکہ جمالِ احساس اور ادراکِ صبر کی لطافت بھی عطا کرتے ہیں۔ مرثیہ ''عقلِ اشکبار'' ایک ایسے وقت کا مرثیہ ہے جس کے بارے میں تاریخ بھی زبان بند رکھتی ہے۔ شامِ غریباں سے لے کر گیارہ محرم کی صبح تک کی وہ ساعتیں جن میں نہ صرف خیام جلے، اہلِ حرم منتشر ہوئے بلکہ بی بی زینبؑ جیسی باوقار ہستی نے پہرہ دیا، بچوں کو سمیٹا اور صبر کو عقل کی بلند ترین سطح پر فائز کیا۔ عادل مختار اس فضا کی گرفت کے لیے نہ صرف روایت سے ہٹتے ہیں بلکہ ایک مابعد الشعوری شعری فضا قائم کرتے ہیں جس میں بیان کا امکان ختم ہو چکا ہوتا ہے اور صرف بصیرت باقی رہ جاتی ہے۔

پائے حروف دشت میں دھرنا بھی ابتلا مثلِ علم قلم کا ابھرنا بھی ابتلا
ہے ابتلا گریز ، گزرنا بھی ابتلا چلنا بھی ابتلا ہے ٹھہرنا بھی ابتلا
دہلیز شب پہ صبح تلک کیا پڑا رہوں ؟ جس جا کھڑا ہوں مثلِ مورخ کھڑا رہوں؟

یہ اشعار کسی واقعے کا بیان نہیں بلکہ اس واقعے کے بعد جنم لینے والے خاموش کرب کی منظر کشی ہے۔ وہ اندھیرا جو صرف بصری نہیں بلکہ فکری اور تہذیبی ہے شاعر یہاں دکھاتا ہے کہ سانحہ کربلا کی سب سے پیچیدہ پرت وہ لمحے ہیں جہاں بیان ختم ہو جاتا ہے اور سکوت بولنے لگتا ہے۔ شاعر نے تخیل کے اس بوجھ کو نہایت نفاست سے اپنی شاعری میں سمو دیا ہے۔ یہاں شاعر کا موقف فقط ایک شعری یا جذباتی ردعمل نہیں

بلکہ سوالیہ وقار سے مزین ایک فکری مکالمہ ہے۔ وہ خود کو تاریخ نویس کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے احساس کے نمائندے کے طور پر دیکھتا ہے جو رات کی اس دوزخ سے صبح کی روشنی تک آنکھ کھولے کھڑا رہا۔ حضرت زینبؑ کی بصیرت اور ضبط کا عکس شاعر یوں اُبھارتا ہے:

- دست ہنر سے نقشہ وحشت اتار دوں
- مستور ہے جو شب میں قیامت اتار دوں
- قرطاس پر ہی عرصہ ظلمت اتار دوں؟
- احساس پر جو وحی مصیبت اتار دوں
- اس جبر میں دھواں سر اٹھائے حروف سے
- بوئے خیام۔ سوختہ آئے حروف سے

یہاں شاعر کا ''دست ہنر'' محض لفظوں کی کشیدہ کاری نہیں بلکہ وہ بصیرت ہے جو شب کی تاریکی سے بھی قیامت کی تفصیل نکال کر رکھ دے۔ ''بوئے خیام۔ سوختہ آئے حروف'' ایک ایسا بیانیہ ہے جو مرثیہ نگاری کی پوری روایت کو ایک نئے فنّی اور فکری عہد میں داخل کر دیتا ہے اور پھر وہ اشک جو فقط رونے کا نام نہیں بلکہ عقل کی ایک شعوری تحریک ہے اس کو شاعر یوں پیش کرتا ہے:

- مقتل ہے شب ہے اور فقط ریگزار ہے
- اک عقل اشک بار پہ مصروفِ کار ہے

یہاں عقل اور اشک دو بظاہر متضاد قوتیں وحدت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور یہی اس مرثیے کی فکری بلند ترین سطح ہے۔ شاعر یہاں آنسو کو کمزوری نہیں بلکہ عقل کی مکمل معراج کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ایک ایسا شعور جو صرف دیکھتا نہیں بلکہ محسوس کرتا ہے اور محسوس کر کے تاریخ میں لکھتا ہے۔

- عادل بہت قریب ہے اب صبح دل فگار
- دیکھو شفق کی سرخیٔ غیرت ہے آشکار
- پرچم مزاحمت کا ہے فطرت پہ برقرار
- مشغول حق ہے زیرِ علم عقل اشکبار
- منظر سے بے نیاز ہے محضر نگاہ کا
- پر اشک ہے کہ اشک ہے جوہر نگاہ کا

یہ فقط شاعری نہیں بلکہ تاریخی صداقت، فکری استقامت اور جمالیاتی عروج کا سنگم ہے۔ کربلا کے نفوس کرب کے کردار کے نمائندہ نہیں بلکہ شعورِ کربلا کے نگراں ہیں۔ ان کی نگاہیں ظلمت کے مقابل دلیل بن کر ابھرتی ہیں اور ان کے آنسو فقط ردعمل نہیں ایک فکری بیانیہ ہیں۔ ''عقلِ اشکبار'' مرثیہ نگاری میں ایک نیا جمالیاتی موڑ ہے۔ جہاں شاعر نے کربلا کے بعد کے اندھیروں کو صرف نوحہ گری سے نہیں بلکہ

فکری تجزیے، شعری استعارہ اور تعقلی آنسوؤں کے امتزاج سے شعور کے رگ و پے میں سمو دیا ہے۔ یہ مرثیہ بتاتا ہے کہ کربلا صرف تاریخ کا واقعہ نہیں ایک مسلسل فکری مشق ہے۔

رثائے عقل، عادل مختار کی محض ایک شعری کاوش نہیں بلکہ رثائی ادب کی فکری تقدیر میں ایک حاشیہ شکن تصنیف ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف مرثیہ نئی زمینوں پر قدم رکھتا ہے بلکہ قاری کو ایک نئے شعور، ایک نئے زاویے اور ایک نئی تہذیبی ذمہ داری سے روشناس کرتا ہے۔ ''عقلِ سرخ'' جہاں انسانی فکر کی بے سمتی کے خلاف ایک تعقلی بغاوت ہے وہیں ''عقلِ اشکبار'' اس بغاوت کی جمالیاتی تعبیر ہے۔ ان دونوں مراثی میں امام حسینؑ کا تصور محض مظلومیت کا استعارہ نہیں بلکہ وہ متحرک شعور ہے جو ہر دور کے فکری جمود کو توڑتا ہے۔ رثائے عقل میں شاعر نے کربلا کو تاریخ کی سادہ مروّجہ قرأت سے نکال کر عقل، تمثیل اور شعور کے ایک نئے پیرائے میں متعارف کروایا ہے۔ یہاں کوئی چیخ و پکار نہیں بلکہ ایک ٹھہراؤ ہے ایسا وقار جو اشک کو بھی زبان دیتا ہے اور خامشی کو بھی صداقت کا جامہ پہناتا ہے۔ اسی مجموعے میں مرثیہ احساس کی سطح سے بلند ہو کر ادراک کی سلطنت میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں اشک اگر عقل کی لغت میں نہ ڈھلے تو محض پانی ہے اور اگر ڈھل جائے تو دلیل بن جاتا ہے۔ عادل مختار نہ صرف مرثیہ کو ایک نئی فکر دیتے ہیں بلکہ اسے ایک نیا قاری بھی عطا کرتے ہیں۔ وہ قاری جو صرف رونے کے لیے نہیں، سمجھنے کے لیے پڑھتا ہے۔ جب مرثیہ محض آنکھوں میں رہا تو آنکھوں تک محدود رہا مگر جب عادل مختار نے اسے عقل میں اُتارا تو وہ شعور کی ہر پرت پر گونجنے لگا۔ حضرت امام حسینؑ کا سر نیزے پر نہیں، شعور کی ہر بلندی پر نظر آتا ہے۔ یہی وہ منظر ہے جو تینوں مراثی کے بیچ کی فکری وحدت کو مکمل کرتا ہے۔ مرثیہ جب خود کو سننے کے بجائے سمجھنے کا عمل سمجھنے لگے تب وہ روایت کا نہیں انقلاب کا حصہ بن جاتا ہے اور جب اشک صرف درد نہ ہو بلکہ فہم بن جائے تو وہ مرثیہ نہیں رہتا بلکہ وہی تاریخ کا سینہ چیر دیتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جب رثائے عقل ایک کتاب نہیں رہتی بلکہ ایک فکری تحریک ایک جمالیاتی مزاحمت اور ایک تہذیبی رجعت کا مستند اظہاریہ بن جاتی ہے۔

❁❁❁❁

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد نہم)
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ہشتم)
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ہفتم)
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

اُردو مرثیہ گو شعرا کا سائنسی شعور

انجینئر محمد عادل فرازؔ

اردو مرثیہ گوئی ایک ایسی ادبی صنف ہے جو اپنی فکری گہرائی، جذباتی شدّت، اور شاعرانہ بلاغت کے لیے مشہور ہے۔ یہ روایت نہ صرف واقعۂ کربلا کی عظیم داستان کو بیان کرتی ہے بلکہ اس میں شاعرانہ تخیّل، لسانی خوبصورتی، اور فکری وسعت کا امتزاج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ میر انیسؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، جیسے شعرا نے اپنے مرثیوں میں نہ صرف مذہبی اور جذباتی موضوعات کو اجاگر کیا ہے بلکہ فطرت، کائنات، اور انسانی شعور کے دیگر پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری کا حصّہ بنایا ہے۔ یہ ہی سبب ہے کہ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں، جو اس دور کے علمی ماحول اور شعرا کی فکری وسعت کی عکاسی کرتی ہیں۔

یہ مقالہ بعنوان ''اردو مرثیہ گو شعرا کا سائنسی شعور'' مرثیہ گو شعرا کے اشعار کی روشنی میں ان کے سائنسی شعور کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔ راقم القلم نے اس مضمون اردو مرثیے کے اشعار میں آئے کائناتی، طبیعیاتی، فلکیاتی، ماحولیاتی، اور نفسیاتی عناصر کے شعور کا جائزہ لیا ہے۔

سائنسی شعور سے مراد وہ فکری رجحان ہے جو مشاہدے، تجربے، اور منطقی استدلال پر مبنی ہیں۔ مرثیہ گو شعرا کے اشعار میں سائنسی شعور کی موجودگی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جدید سائنسی نظریات سے مکمل طور پر آگاہ تھے، بلکہ یہ کہ انھوں نے اپنے مشاہدات اور فطری مظاہر کو اپنی شاعری میں اس طرح پیش کیا کہ وہ سائنسی سوچ کے قریب تر نظر آتے ہیں۔ ان کے اشعار میں فلکیاتی مظاہر (سورج، چاند، ستاروں، اور سیّاروں کے حوالے)، ماحولیاتی مناظر کی تصویر کشی، اور انسانی شعور کے نفسیاتی پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے۔ یہ مقالہ ہر شاعر کے سائنسی شعور کو چار اہم زمرے ''فلکیاتی مشاہدات، ماحولیاتی حساسیت، طبیعیاتی بصیرت، اور نفسیاتی مشاہدات'' کے تحت تجزیہ کرتا ہے۔

میر انیسؔ کا سائنسی شعور:

میر انیسؔ (۱۸۰۳ء-۱۸۷۴ء) اردو مرثیہ گوئی کے سب سے عظیم شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری اپنی بلاغت، جذباتی شدت، اور فکری گہرائی کے لیے مشہور ہے۔ ان کے مرثیوں میں واقعہ کربلا کے روحانی اور جذباتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ فطرت اور کائنات کے مشاہدات بھی نمایاں ہیں۔ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں ان کے گہرے مشاہدات اور فطری مظاہر کی شاعرانہ تفہیم سے عیاں ہوتی ہیں۔

فلکیاتی مشاہدات:

میر انیسؔ کے اشعار میں فلکیاتی مظاہر کا ذکر ایک شاعرانہ اور سائنسی انداز میں ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

دشت وغا میں نورِ خدا کا ظہور ہے ذرّوں میں روشنیِ تجلّیِ طور ہے

اک آفتابِ رخ کی ضیا دور دور ہے کوسوں زمین عکس سے دریائے نور ہے

یہ اشعار روشنی کے پھیلاؤ اور اس کی شدّت کو بیان کرتے ہیں۔''نورِ خدا'' اور'' دریائے نور'' جیسے استعارے روشنی کے کائناتی پھیلاؤ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید فزکس میں روشنی کے نظریے سے مطابقت رکھتا ہے۔ روشنی کا زمین پر اثر اور اس کا عکّاسی کا عمل ایک معروف طبیعیاتی مظہر ہے۔ انیسؔ نے اسے شاعرانہ انداز میں پیش کیا، لیکن ان کا مشاہدہ سائنسی حقیقت سے قریب ہے۔'' آفتابِ رخ کی ضیا دور دور ہے'' سے روشنی کی وسعت اور اس کی کائناتی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے، جو فلکیات کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔

اسی طرح، ان کا یہ مصرع:

دریا تو آسماں ہیں ستارے حباب ہیں

یہ مصرع پانی اور روشنی کے درمیان ایک گہرے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ ستاروں کو'' حباب'' (بلبلوں) سے تشبیہ دینا نہ صرف شاعرانہ خوبصورتی کو بڑھاتا ہے بلکہ پانی کی سطح پر روشنی کے انعکاس کے سائنسی مظہر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو جدید آپٹکس کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ پانی کی سطح پر روشنی کا انعکاس اور اس کی چمک ایک ایسی حقیقت ہے جو سائنسی طور پر ثابت شدہ ہے، اور انیسؔ نے اسے اپنی شاعری میں نہایت خوبصورتی سے پیش کیا۔

ایک اور مصرع ملاحظہ کریں:

ذرّے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

یہ مصرع زمین پر موجود ذرات کو ستاروں سے تشبیہ دیتا ہے، جو ایک کائناتی تناظر کو پیش کرتا ہے۔ یہ تصوّر جدید فلکیات کے اس نظریے سے ملتا ہے کہ زمین اور ستارے ایک ہی کائناتی مادے سے بنے ہیں۔ انیسؔ نے اسے علامتی طور پر پیش کیا، لیکن ان کا مشاہدہ سائنسی سوچ سے قریب ہے۔

ماحولیاتی حساسیت:

میر انیسؔ کے اشعار میں ماحولیاتی مناظر کی تصویر کشی غیر معمولی ہے۔ وہ فطرت کے عناصر، جیسے ہوائیں، درخت، پھول، اور سبزہ زار، کو اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے ایک زندہ جیتا جاگتا منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر

یہ اشعار ہواؤں کی ٹھنڈک اور درختوں کی حرکت کو بیان کرتے ہیں، جو ایک ماحولیاتی توازن کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہواؤں کا اثر اور درختوں کی حرکت ایک ایسی ماحولیاتی حساسیت کو ظاہر کرتی ہے جو جدید ماحولیاتی سائنس کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ انیسؔ نے فطرت کے ان عناصر کو نہ صرف شاعری کا حصّہ بنایا بلکہ ان کے ذریعے کربلا کے منظر کی شدّت کو بھی اجاگر کیا۔'' دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر'' سے درختوں کی حرکت اور ہوا کے اثرات کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا گیا ہے جو ماحولیاتی نظام کے توازن کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

یہ شعر ہوا کے جھونکوں اور پھولوں کے کھلنے کی آواز کو بیان کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ماحولیاتی حساسیت کو ظاہر کرتا ہے جو فطرت کے باریک مشاہدات پر مبنی ہے۔ پھولوں کے کھلنے کی آواز اور ہوا کے اثرات کا ذکر ایک ایسی سائنسی بصیرت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ماحولیاتی نظام کے اندرونی عمل کو سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

طبیعیاتی بصیرت:

میر انیسؔ کے اشعار میں طبیعیاتی مظاہر، جیسے گرمی، روشنی، اور حرکت، کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں

یہ اشعار کربلا کے میدان کی گرمی اور پانی کی کمی کو بیان کرتے ہیں۔ ''شعلۂ جوالہ'' اور ''شرر فشاں'' جیسے الفاظ گرمی کی شدّت اور اس کے اثرات کو ظاہر کرتے ہیں، جو ایک سائنسی مشاہدے کی عکاسی کرتے ہیں۔ پانی کا آگ کی طرح دکھائی دینا اور بلبلوں کا انگاروں سے تشبیہ پانا ایک ایسی شاعرانہ تصویر ہے جو حرارتی توانائی کے اثرات کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی سائنسی حساسیت ہے جو جدید فزکس کے تصوّرات سے قریب ہے۔

ایک اور شعر دیکھیں:

پانی تھا آگ گرمیٔ روزِ حساب تھی ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ شعر پانی کی گرمی اور اس کے اثرات کو بیان کرتا ہے۔ ''پانی تھا آگ'' اور ''ماہی کباب تھی'' جیسے الفاظ گرمی کی شدّت اور اس کے حیاتیاتی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو حرارتی توانائی اور اس کے ماحول پر اثرات کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

نفسیاتی مشاہدات:

میر انیسؔ کے اشعار میں انسانی شعور اور نفسیاتی مشاہدات بھی نمایاں ہیں۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

فیّاض حق شناس اولو العزم ذی شعور خوش فکر و بزلہ سنج و ہنر پرور و غیور

یہاں انسانی کردار کی فکری اور نفسیاتی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔ ''ذی شعور'' اور ''خوش فکر'' جیسے الفاظ انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی گہرائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصوّرات سے قریب ہیں۔ انیسؔ نے انسانی شعور کی ان خصوصیات کو کربلا کے شہدا کے تناظر میں پیش کیا، جو ان کی فکری وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب

یہ شعر انسانی تقریر کی فصاحت اور اس کی نفسیاتی طاقت کو بیان کرتا ہے۔ ''کتابِ بلاغت'' اور ''شہدِ فصاحت'' جیسے استعارے انسانی دماغ کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی زبان سے اثر ڈالنے کی قوت کو ظاہر کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے ہم آہنگ ہے۔

مرزا سلامت علی دبیرؔ کا سائنسی شعور:

مرزا سلامت علی دبیرؔ (۱۸۰۳ء-۱۸۷۵ء) اپنی شاعری میں بلاغت اور فکری گہرائی کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے اشعار میں فلکیاتی، طبیعیاتی، اور ماحولیاتی مشاہدات کی جھلکیاں ملتی ہیں، جو ان کے سائنسی شعور کی عکاسی کرتی ہیں۔

فلکیاتی مشاہدات:

دبیرؔ کے اشعار میں سورج، چاند، اور ستاروں کے حوالے سے گہری بصیرت ملتی ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

خورشیدِ درخشاں میں بتا نور ہے کس کا کلمہ ورقِ ماہ پہ مسطور ہے کس کا

یہ شعر سورج اور چاند کی روشنی کی کائناتی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ ''خورشیدِ درخشاں'' اور ''ورق ماہ'' جیسے الفاظ نہ صرف شاعرانہ خوبصورتی بڑھاتے ہیں بلکہ فلکیاتی مظاہر، جیسے روشنی کی عکاسی اور اس کی شدّت، کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو جدید فلکیات سے ہم آہنگ ہے۔ سورج کی روشنی اور چاند کی عکاسی کے تصورات فلکیات کے بنیادی اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔

ایک مصرع ملاحظہ کریں:

ذرّے کو کرے مہر یہ مقدور ہے کس کا

یہ مصرع ذرّات اور سورج کی روشنی کے درمیان تعلق کو بیان کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ تصویر ہے جو جدید فزکس کے تصورات، جیسے کہ روشنی کے ذرات پر اثرات، سے قریب ہے۔

ماحولیاتی حساسیت:

دبیرؔ کے اشعار میں ماحولیاتی مناظر کی تصویر کشی بھی نمایاں ہے۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

ہر صبح مہر و ماہ کی تو کم ہے روشنی پر دیکھو ان کے عارضوں کی جلوہ افگنی

یہ شعر سورج اور چاند کی روشنی کے مقابلے میں انسانی حسن کی روشنی کو بیان کرتا ہے، لیکن اس میں فطرت کے عناصر کی خوبصورتی اور ان کے ماحولیاتی اثرات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ''جلوہ افگنی'' سے روشنی کے ماحول پر اثرات کو بیان کیا گیا ہے، جو ایک ماحولیاتی حسّاسیت کی عکاسی کرتا ہے۔

ایک اور شعر دیکھیں:

گرمیِ حسنِ مہر سے آب آب ہو گیا گردوں پہ خشک چشمۂ مہتاب ہو گیا

یہ شعر گرمی اور روشنی کے ماحولیاتی اثرات کو بیان کرتا ہے۔ ''آب آب ہو گیا'' سے پانی کی کمی اور گرمی کی شدّت کو ظاہر کیا گیا ہے، جو ماحولیاتی سائنس کے تصوّرات سے ہم آہنگ ہے۔

طبیعیاتی بصیرت:

دبیرؔ کے اشعار میں طبیعیاتی مظاہر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

بجلی گری بجلی پہ اجل ڈر کے اجل پر اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر

یہ شعر بجلی اور زلزلے جیسے قدرتی مظاہر کو بیان کرتا ہے۔ بجلی کی چمک اور اس کے اثرات کو ''زلزلہ'' سے تشبیہ دینا ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو طبیعیاتی مظاہر کی شدت کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بجلی کی برقی توانائی اور زلزلے کی ارضیاتی حرکت دونوں ہی سائنسی مظاہر ہیں، اور دبیرؔ نے انہیں شاعرانہ انداز میں پیش کیا۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

سیّارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر   خورشید تھا مریّخ پہ مرّیخ زحل پر

یہ شعر سیّاروں کی حرکت اور ان کے فلکیاتی مقامات کو بیان کرتا ہے۔ ''خورشید تھا مریخ'' اور ''مریخ زحل پر'' جیسے الفاظ سیاروں کی حرکات اور ان کے مقامات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو فلکیاتی مشاہدات سے قریب ہیں۔

نفسیاتی مشاہدات:

دبیرؔ کے اشعار میں انسانی شعور کی نفسیاتی خصوصیات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

ہر عضو میں ہے دل کی طرح سے خدا کی یاد   قرآن پڑھنا ختم ہے ان پر دمِ جہاد

یہ شعر انسانی شعور کی روحانی اور نفسیاتی گہرائی کو بیان کرتا ہے۔ ''خدا کی یاد'' اور ''دمِ جہاد'' جیسے الفاظ انسانی دماغ کی جذباتی اور فکری طاقت کو ظاہر کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے ہم آہنگ ہیں۔

میر مظفر حسین ضمیرؔ کا سائنسی شعور (۱۸۵۵ء-۱۷۷۷ء): مرزا سلامت علی دبیرؔ کے استاد

میر مظفر حسین ضمیرؔ کے اشعار میں فکری گہرائی اور شاعرانہ تخیّل کا امتزاج ملتا ہے۔ ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں خاص طور پر انسانی شعور اور کائناتی مشاہدات میں نظر آتی ہیں۔

نفسیاتی بصیرت:

ضمیرؔ کے اشعار میں انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی رفتار کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

میں چشمِ تصوّر میں لگا کھینچنے تصویر   بس ذہن میں سرعت سے نہ ٹھہرا کسی تدبیر

یہ شعر انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور اس کی تیزی کو بیان کرتا ہے۔ ''چشمِ تصور'' اور ''سرعت'' جیسے الفاظ انسانی دماغ کی رفتار اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید نفسیات اور دماغی علوم سے قریب ہیں۔ ضمیرؔ نے انسانی ذہن کی اس صلاحیت کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا جو کربلا کے تناظر میں فکری وسعت کو ظاہر کرتی ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

جب بندشِ مضمون میں باندھا دمِ تحریر   دی کلک نے آواز پری کو کیا تسخیر

یہ شعر تخلیقی عمل اور اس کی نفسیاتی طاقت کو بیان کرتا ہے۔ ''دمِ تحریر'' اور ''آواز پری کو تسخیر'' جیسے الفاظ شاعری کے تخلیقی عمل کو ایک ایسی صلاحیت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو انسانی دماغ کی گہرائی سے نکلتی ہے۔ یہ جدید نفسیات کے تخلیقی عمل کے مطالعے سے ہم آہنگ ہے۔

کائناتی مشاہدات:

ضمیرؔ کے اشعار میں کائناتی حسن اور انسانی شعور کی حیرت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

آمد ہی میں حیران قیاسِ بشری ہے یہ کون سی تصویر تجلّی سے بھری ہے

یہ شعر کائناتی حسن اور انسانی شعور کی حیرت کو بیان کرتا ہے۔ ''قیاسِ بشری'' اور ''تجلّی'' جیسے الفاظ انسانی مشاہدے اور کائناتی مظاہر کے درمیان ایک گہرے تعلق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی شاعرانہ بصیرت ہے جو سائنسی سوچ سے ہم آہنگ ہے، کیونکہ یہ انسانی شعور کی کائنات کو سمجھنے کی صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے۔

سید علی میاں کاملؔ کا سائنسی شعور:

سید علی میاں کاملؔ کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں خاص طور پر فطرت اور کائنات کے مشاہدات میں ملتی ہیں۔ ان کے اشعار میں فطرت کی تبدیلی اور اس کی خوبصورتی کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فطری تبدیلی:

کاملؔ کے اشعار میں فطرت کی تبدیلی اور اس کی خوبصورتی کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھیں:

میں اگر قصد کروں سنگ کو گوہر کردوں خار کو فیضِ لطافت سے گلِ تر کردوں

یہ شعر فطرت کی تبدیلی اور اس کی خوبصورتی کو بیان کرتا ہے۔ ''سنگ کو گوہر'' اور ''خار کو گل'' جیسے استعارے کیمیائی اور حیاتیاتی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید سائنس کے تصوّرات، جیسے کہ مادے کی تبدیلی اور حیاتیاتی ارتقا سے قریب ہیں۔ کاملؔ نے فطرت کی اس صلاحیت کو ایک ایسی شاعرانہ تصویر میں پیش کیا جو سائنسی مشاہدات سے ہم آہنگ ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ کریں:

ذرّے کو داغ جبین مہِ انور کردوں شب تاریک کو بے شمع منور کردوں

یہ شعر روشنی اور مادے کے درمیان تعلق کو بیان کرتا ہے۔ ''ذرّے کو مہِ انور'' اور ''شبِ تاریک کو منوّر'' جیسے الفاظ روشنی کی تبدیلی کی صلاحیت کو ظاہر کرتے ہیں، جو جدید فزکس کے تصورات سے قریب ہیں۔

ماحولیاتی حساسیت:

کاملؔ کے اشعار میں ماحولیاتی وسائل اور ان کی اہمیت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کے اشعار دیکھیں:

جو کہوں منھ سے وہی چرخِ کہن دے مجھ کو پنکھڑی پھول کی مانگوں تو چمن دے مجھ کو

طالبِ مشک اگر ہوں تو ختن دے مجھ کو سنگریزے کے عوض دُرِّ عدن دے مجھ کو

یہ شعر فطرت کی فراوانی اور اس کی خوبصورتی کو بیان کرتا ہے۔ ''پنکھڑی پھول'' اور ''مشک'' جیسے الفاظ فطرت کے وسائل اور ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو ماحولیاتی سائنس کے تصوّرات سے ہم آہنگ ہے۔ کاملؔ نے فطرت کی اس فراوانی کو ایک ایسی شاعرانہ

تصویر میں پیش کیا جو ماحولیاتی توازن کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

نفسیاتی مشاہدات:

کاملؔ کے اشعار میں انسانی شعور کی تخلیقی صلاحیتوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ان کا یہ شعر دیکھیں:

ذہن سے کہہ دوں تو ہنگامۂ جودت ہوجائے گنگ کو چاہوں تو مشاقِ طلاقت ہوجائے

یہ شعر انسانی ذہن کی تخلیقی طاقت اور اس کی صلاحیتوں کو بیان کرتا ہے۔''ہنگامۂ جودت'' اور ''مشاقِ طلاقت'' جیسے الفاظ انسانی دماغ کی فکری وسعت اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو جدید نفسیات کے تصورات سے ہم آہنگ ہیں۔

الغرض اردو مرثیہ گو شعرا، جیسے کہ میر انیسؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، میر مظفر حسین ضمیرؔ، اور سید علی میاں کاملؔ، نے اپنی شاعری میں نہ صرف مذہبی اور جذباتی موضوعات کو اجاگر کیا بلکہ فطرت، کائنات، اور انسانی شعور کے دیگر پہلوؤں کو بھی اپنی شاعری کا حصّہ بنایا۔ان کے اشعار میں سائنسی شعور کی جھلکیاں ان کے گہرے مشاہدات، فطری مظاہر کی سمجھ، اور شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہیں۔اگرچہ ان کا سائنسی شعور جدید سائنسی نظریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں تھا، لیکن ان کی شاعری میں موجود فلکیاتی، ماحولیاتی، اور فکری عناصر ان کی وسعتِ فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔یہ مقالہ ثابت کرتا ہے کہ اردو مرثیہ گوئی محض ایک مذہبی یا جذباتی صنف نہیں بلکہ ایک ایسی ادبی روایت ہے جو سائنسی مشاہدات اور فکری گہرائی کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ان شعرا کی شاعری ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ادب اور سائنس کے درمیان ایک گہرا تعلق ہوسکتا ہے، اور شعرا کا شاعرانہ تخیل سائنسی شعور کو نئی جہتیں عطا کرسکتا ہے۔

❁❁❁❁

تصحیح: پچھلے شمارے میں نوحہ ''بین تھا سکینہؑ کا شام ہونے والی ہے'' شائع ہوا ہے جو ''کُلیاتِ سعید شہیدی'' میں ان کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ادارہ اس سہو پر معذرت خواہ ہے۔(ایڈیٹر)

فرہنگِ انیسؔ و دبیرؔ
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

ابرؔ جون پوری کے مرثیے
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

فرہنگِ مرثیہ
زیرِ طبع
ترتیب و تدوین
اصغر مہدی اشعر

میر نظیرؔ باقری، منفرد مرثیہ گو شاعر

عباس نقوی

سیّد نظیر عباس باقری صاحب ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے مشہور ضلع مراد آباد کی تحصیل سنبھل اور امروہے کے درمیان سادات کی مشہور و معروف بستی نعمت پور۔ المعروف اکرونیا سادات میں پیدا ہوئے۔ آپ کا حسبی و نسبی تعلق بنیادی طور پر ایک علمی زمیندار گھرانے سے ہے، والد ماجد سید زمرد حسن باقری بہترین سوز خوان۔ دادا میر مہدی حسن باقری ذاکرِ اہلِ بیتؑ اور مشہور زمیندار ہونے کے علاوہ جورسٹ بھی تھے۔ زمینداری کے بعد ذریعہ معاش کا شتکاری رہ گیا۔

میر نظیرؔ باقری صاحب انڈیا کے مشہور و معروف شعرا و ذاکرین اہلِ بیتؑ میں شمار کیے جاتے ہیں لکھنؤ کو باقاعدہ اپنا تعلیمی وطن مانتے ہیں زندگی کا بیشتر حصہ وہیں کے ادبی اور مزہبی ماحول میں گزرا لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو اور عمرانیات میں ایم۔ اے، کیا اپنی شاعری کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔۔۔ ''میرا مجھ سے تعارف بحیثیت شاعر اس شعر نے کرایا جو کسی مصرعہ طرح پر ۱۹۶۴ء میں کہا تھا''۔

لاتعداد کتب کے مصنف ہیں، ۔۔۔ ہنسی (مرثیہ)، دستِ کائنات (مرثیہ)، پیاسے دریا (نوحہ و سلام) فرازِ صبر (منقبت و مسدس، سوگوار (نوحہ)، اعتماد (غزل)، زنجیرِ نور (مناقب و قصائد) اور نجومِ دَشت (نوحہ، مناقب، قصائد و سلام) ہندی میں۔ ''لوٹ کے گھر جانے دے'' وغیرہ وغیرہ۔ ان کے مجموعہائے کلام ہیں۔ پہلا مرثیہ ''ہنسی''۔ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ جس کو اپنے اجداد کی طرح ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں پڑھا بھی ہے۔ دوسرا مرثیہ۔ ''دستِ کائنات'' ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔

میر نظیرؔ باقری صاحب کی غزلوں کے چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ؎ع

دھواں بنا کے فضا میں اڑا دیا مجھ کو — میں جل رہا تھا کسی نے بجھا دیا مجھ کو
کھڑا ہوں آج بھی روٹی کے چار حرف لیے — سوال یہ ہے کتابوں نے کیا دیا مجھ کو

اپنی آنکھوں کے سمندر میں اتر جانے دے — تیرا مجرم ہوں مجھے ڈوب کے مر جانے دے
ساتھ چلنا ہے تو پھر چھوڑ دے ساری دنیا — چل نہ پائے تو مجھے لوٹ کے گھر جانے دے
ان اندھیروں سے ہی سورج کبھی نکلے گا نظیرؔ — رات کے سائے ذرا اور نکھر جانے دے

ایک اور غزل ؎ع

یاد نہیں کیا کیا دیکھا تھا سارے منظر بھول گئے — اس کی گلیوں سے جب لوٹے اپنا بھی گھر بھول گئے
مجھ کو جنھوں نے قتل کیا ہے کوئی انھیں بتلائے نظیرؔ — میری لاش کے پہلو میں وہ اپنا خنجر بھول گئے

اسی طرح نوحوں اور مرثیوں میں بھی لہجہ غزل ہی کا رکھا، آلِ رضاؔ مرحوم کو جدید مرثیہ کا بانی مانتے ہیں، نظیرؔ باقری صاحب نے باب الحوائج

حضرت علی اصغر علیہ السلام کے حال کا پہلا مرثیہ کہا اور عنوان رکھا۔۔ہنسی۔۔۔یعنی مرثیے کی ضد ہے۔۔اور ہنسی بھی مرثیہ شہزادہ علی اصغر علیہ السلام کے حال کا ہے، ۸۰ بند کہے تھے لیکن قصداً ۷۲ شامل کیے۔اسکا ذکر محترم ہلال نقوی صاحب نے۔''بیسویں صدی میں جدید مرثیہ'' میں بھی کیا ہے۔اس مرثیے کے التزام میں اس کے ساتوں اجزاء موجود ہیں۔

پورا مرثیہ غزل کے لہجے میں ہی ہے۔۔۔اس کا مطلع ہے۔

ہنسی لبوں کے لیے اِک حسین زیور ہے کہیں پہ پھول سے نازک ، کہیں پہ پتھر ہے
کہیں پہ طنز کا جلتا ہوا یہ خنجر ہے یہ زندگی کا عجب دلفریب منظر ہے
جو مسکراتے ہوئے لب دکھائی دیتے ہیں
وہی حیات کا مطلب دکھائی دیتے ہیں

مکمل مرثیہ علامتی طور پر تبسّم اور بچپن پر مشتمل ہے،اس مرثیے میں اس بات کو ملحوظ رکھا کہ صاحبانِ نظر اس کو پڑھیں تو اسکے منظر اور پس منظر تک آسانی سے پہنچ سکیں۔

مقتل کی روایت صرف اتنی ہے کہ بچّہ باپ کے ہاتھوں پر تیر کھا کر منقلب ہو گیا۔منقلب کے لیے لغت کہتی ہے کہ منقلب اس حالت کو بھی کہتے ہیں جس حالت میں انسان سجدہ کرتا ہے۔اسی لیے اس منظر کو علی اصغرؑ کے سجدے سے تعبیر کیا ہے۔جس کو اپنے مضمون میں پروفیسر مجاہد حسین حسینی نے لکھا ہے''شہزادہ علی اصغرؑ کے اس سجدے کو تاریخ اگر اپنے دامن میں رکھنا چاہے گی تو اسے مورخ کا نام نظیر باقری لکھنا پڑیگا''

بتا رہی تھی ہر اِک مقصدِ شہادت کو بچا رہی تھی پیمبرؐ کی اس امانت کو
برستے تیروں میں شبیرؑ کی ریاضت کو یہ کمسنی تھی جو بھولی نہیں عبادت کو
لگا جو تیر تو خَم کی جبینِ ناز اپنی
بنا کے باپ کے ہاتھوں کو جانماز اپنی

نظیر باقری صاحب نے لاتعداد نوحے کہے۔۔۔ان کے مشہور نوحوں کے چند مطلع پیشِ خدمت ہیں۔

سن لو اپنی بیٹی کے آخری بیاں بابا بند ہونے والی ہے اب میری زباں بابا
بیڑیاں روئیں کبھی پاوں کے چھالے روئے کیسے قیدی تھے جنھیں قید کے چھالے روئے

کس طرح اپنی تباہی کی خبر لے جائے پاس زینبؑ کے بچا کیا ہے جو گھر لے جائے

یہ لبِ زینبؑ پہ نوحہ رہ گیا ہائے بھیّا ہائے بھیّا رہ گیا

غم کا لشکر ہے اور زینبؑ ہے

''حسینؑ شام غریباں بلا رہی ہے تمھیں'' یہ نوحہ۔ناصر جہاں اور اشرف عباس صاحب کی آوازوں میں پیش کیا جا چکا ہے،ہم دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت باقری صاحب کی علمی و مالی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔۔۔آمین یارب العالمین۔

مرزا رفیع سوداؔ، مرثیہ نگاری کا ایک اہم ستون

الیاس جوہر

مرزا محمد رفیع متخلص بہ سوداؔ اقلیمِ سخنوری کے شہنشاہ، خاقانیِ ہند کی تاریخ پیدائش ۱۷۱۳ء بمطابق ۱۱۲۵ھ ہے۔(۱) اردو زبان کو بنانے سنوارنے اور پھیلانے میں سوداؔ نے جو کام کیا وہ ادبی دنیا میں نمایاں ہیں۔انہوں نے ایہام گوئی کے خلاف کام کیا۔اردو میں ہندی عناصر کو کم کرنے، فارسی آمیزش شروع کرنے، بے ڈھنگے الفاظ کو نئی الفاظ وتراکیب سے بدلنے،قواعد زبان میں اہم تبدیلیاں لانے، فارسی محاورات کا اردو میں ترجمہ اور عربی وفارسی کے اختلاط سے نئے الفاظ وتراکیب کے ایجاد وغیرہ سوداؔ کے مرہون منت ہے۔الغرض سوداؔ نے غزل ہو یا قصیدہ، مثنوی ہو یا مرثیہ سب میں جدّت پیدا کر کے اردو زبان پر احسانِ عظیم کیا ہے۔سوداؔ کے مرثیہ نگاری کے اساتذہ شعرائے مرثیہ بھی معترف نظر آتے ہیں۔میر ضمیرؔ، میر خلیقؔ، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے سوداؔ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔(۲) دبیرؔ نے سوداؔ کی زمین میں ایک مرثیے میں اس بات کا یوں اظہار کیا ہے:

سوداؔ کے مرثیے کا تو ممکن نہیں جواب کافی ہے تجھ کو بخششِ محشر کے واسطے
بس اے دبیرؔ سینہ ہے بریاں جگر کباب پر فعل حق سے مرثیہ یہ بھی ہے انتخاب

سوداؔ کے سلام اور مرثیے تاریخی طور پر حد درجہ اہمیت رکھتے ہیں۔مرثیہ کو ادبی حیثیت دینے میں سوداؔ کا اولین کردار ہے۔(۳) ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق سوداؔ کی کل مراثی کی تعداد ۹۱ ہے۔(۴) محمود فاروقی نے بھی ۹۱ مرثیوں کا ذکر کیا ہے۔(۵) پروفیسر شارب ردولوی نے ۹۱ مرثیے اور ۱۲ سلاموں کا ذکر کیا ہے۔(۶) جبکہ سید عاشور کاظمی ۷۲ مرثیے بتاتے ہیں۔(۷) سوداؔ کے معاصر مرثیہ گو شعراء میں مسکینؔ، حزیںؔ، غمگین اور میر تقی میرؔ نمایاں ہیں۔اس وقت تک اگرچہ مضامین میں تسلسل پیدا ہو چکا تھا اور بے ربطی جو دکنی شعراء کے ہاں پائی جاتی تھی ختم ہو چکے تھے لیکن ادبی اعتبار سے مرثیہ گوئی نے نمایاں ترقی نہیں کی تھی۔مرثیہ کی ہیئت میں بھی تبدیلی آ چکی تھی اور سلام اور غزل کی ہیئت سے نکل کر مربّع مرثیے لکھے جانے لگے تھے۔سوداؔ نے اس کی ہیئتوں میں اضافہ کر دیا۔سوداؔ نے مرثیے کی وہ شکل پیش کی جس نے میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے زمانے میں اتنی ترقی کی کہ اردو ادب کے خزانے کو ایک سنہرے باب سے بھر دیا۔سوداؔ جو فطرتاً قصیدہ گو شاعر تھے ان کے مرثیوں میں بھی قصیدے کی آہنگ ملتی ہے۔سوداؔ نے مرثیوں میں کردار نگاری کے بہترین نمونے پیش کیے ہیں۔سوداؔ نے واقعۂ کربلا کو مختلف موضوعات میں الگ الگ پیش کرنے کی روایت ڈالی۔انہوں نے واقعۂ کربلا کو مرثیے میں کلّی اور جزوی طور پر بیان کرنے کی کوشش کی۔ان کے مراثی موضوعات کے اعتبار سے بھی وسیع ہیں۔ان کے زندگی میں ان کے مراثی پر اعتراضات بھی اٹھائے گئے۔(۸) سوداؔ کے مرثیہ نگاری کی بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں: ''مرثیہ گوئی میں سوداؔ کی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے مرثیے کو جو اب تک ایک غیر ادبی صنف

تھا ادبی صنف بنانے میں اوّلین اور بنیادی کام کیا اور اس میں قصیدے کی وہ خصوصیات شامل کیں جو آگے چل کر مرثیے کی روایت کا حصہ بن گئیں۔'' (۹) اردو مرثیے میں قصیدے کی تشبیب کی طرح ''چہرہ'' سوداؔ کی ایجاد ہے۔ مرزا سوداؔ سے پہلے جو رثائی شعراء گزرے ہیں ان کا کلام عزاداری کی ضروریات کے مطابق تھا ان میں ادبی ارتقا کے ساتھ ساتھ جدّتِ اسلوب یا کوئی نئی بات نہیں تھی سوداؔ صاحبِ ایجاد ہے جس نے اس فنِ خاص میں اپنے زمانے کے اعتبار سے کمال حاصل کیا اور آنے والوں کے لیے ترقی کی راہیں کھول گئے۔ (۱۰) مرثیے میں مختلف مناظر پیش کرنا بھی سوداؔ ہی سے منسوب ہے۔ جیسا کہ انھوں نے ایک مرثیے میں گرمی کی کیفیت کو اس انداز سے پیش کیا ہے:

تپش یہ پوچھو نبیؐ کے سرورِ سینے سے — جسے نکال کے اس دھوپ میں مدینے سے
زیادہ آنچ سے ہے گرم ان دنوں کی لوں — چلا وہ جاتا ہے منھ پوچھتا پسینے سے
کہا اساڑھ نے یہ جیٹھ کے مہینے سے — کہا ہے یاد یہ پیا فلک نے کینے سے
جو چار پایہ ہے جنگل میں ہپ ہپاتا ہے — گھر ان دنوں کوئی چیونٹی سے بھی چھڑاتا ہے
مثالِ آگ سے تپتا ہے کوہ اور ہاموں — سوار گھوڑے پہ پاچند کس دلِ محزوں

سفارش حسین رضوی سوداؔ کی مرثیہ نگاری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سوداؔ نے مرثیے کہنے میں کئی جدتیں کیں اور مرثیے میں نئے گوشے پیدا کیے اس کے ہاں مرثیے میں تمہید ملتی ہے سماں بھی باندھا ہے اور مرقع کشی بھی کی ہے۔ مکالمہ تو اس کے مرثیوں میں اکثر ملتا ہے۔'' (۱۱) سودا کے مرثیوں میں مکالمے کے حوالے سے یزید کے دربار میں حضرتِ سیّدِ سجادؑ اور یزید کے مابین ہونے والے مکالمے کو یوں منظوم کیا ہے:

کیوں ترا باپ لڑا گر نہ تھی لڑنے کی تاب — آپ تو جی سے گیا تجھ پہ یہ ڈالا ہے عذاب
دیکھتے ہیں تجھے اس حال سے برنا و پیر — کیا ہوا گردشِ دوراں سے جو میں دکھ پایا
مفت اپنا تو جہنّم میں مکاں بنوایا — گو کہ کاٹا گیا اس راہ میں اب اس کا سر
اس لعین نے کیا دیکھ کے عابدؑ کو خطاب — ردِّ بیعت سے مری گھر کو کیا اپنے خراب
ہے گلے طوق تیرے پاؤں میں تیرے زنجیر — سنتے ہی اس کو وہ سرور یہ زباں پر لایا
جو کیا باپ نے میرے وہ خدا کو بھایا — راہ میں حق کے میرے باپ نے باندھی تھی کمر

سوداؔ کے مرثیوں میں رزم کے مناظر کی نظم بندی بھی ملتی ہے جیسا کہ حضرت عباسؑ کے نہر فرات پر پانی لینے کے لیے پہنچا تو لشکر شامی کی حالت کو اس طرح بیان کیا ہے:

لگی تب صف بہ صف لشکر کی ہونے درہم و برہم — ادھر خوں کے بہے نالے جدھر اس کا پڑا سایا
سناں پر تیغ برسے تھی پڑی اور تیغ پر خنجر — حوالے تیغ کی اس کے کہ دستِ چپ لٹک آیا
نہ مانا جب تو بیٹھا فوج میں وہ اشجعِ عالم — جدھر کا رخ کیا کشتوں کے کشتے واں ہوئے اس دم
کہوں کیا جس طرح چھایا تھا ابر آہن کا اس جا پر — نہ جانے آہ واویلا کہ اس میں کن نے واں آکر

اسی طرح سوداؔ کے مراثی میں بین کی کیفیات بھی ملتی ہیں گو کہ سوداؔ بین پر زیادہ زور نہیں دیتے اور کوشش کرتے ہیں کہ جذبات نگاری کو فطری رنگ میں پیش کیا جائے۔ اصغرؑ کی شہادت پر مادرِ اصغرؑ کے بین کو کچھ اس طرح سے بیان کیا ہے:

کہتی تھی میں پیر شوی کہہ میں تیرے بلہاری
کیونکر ہو اس دل کو چین چھوٹے سے ماں جی بہلائے
کیوں کر جینا اس کو بھائے کیونکر ہو اس دل کو چین
چھینک تجھے جب آتی تھی دے تو جب بچپن میں جی
تجھ بن میرے نورالعین بیٹا بڑا جو سر کٹوائے
وہ بھی جب گودی سے جائے تجھ بن میرے نورالعین

سوداؔ کے مراثی میں ہندوستانی معاشرتی وسماجی جھلک بھی نمایاں ہیں۔ شادی غمی کی تقریبات، مشاغل، رسم ورواج، لباس، سپاہیوں کے احوال، وغیرہ جگہ جگہ عیاں ہیں۔ ایک مرثیے میں گھروں کی فضا، بچوں کی کھیل اور ماؤں کی ارمانوں کی تصویر کشی یوں کی ہے:

آنکھ مچولا کھیلے ہیں لڑکے چھپ چھپ چاندنی راتوں میں پاؤں تمہیں چلے ہی نہ دیکھا بلا گئے تم ہاتھوں میں
ہائے ہائے اصغرؑ میرے لال
کھول کے اب انکھیاں تم اپنی غوں غاں اماں پاس خاک کے نیچے مت دبواؤ میری تم امید اور آس
ہائے ہائے اصغرؑ میرے لال

ہیئت اور ساخت کے اعتبار سے سوداؔ نے مرثیے میں جدّت پیدا کیں اس کے علاوہ سوداؔ نے اظہار و بیان کے بھی تجربے کر کے مرثیے کو فنی اعتبار سے مستحکم کیا۔ سوداؔ کے ایک مرثیے میں تشبیہ کی مثال ملاحظہ کرتے ہیں:

صدائے العطش فریاد سے موروں کی تھی کیا کم زمیں پر عنکبوتِ سرخ خوں کی بوند تھی ہر دم

ایک اور بند میں استعارے کی بندش یوں کی ہے:

پہنچ اے ابر کہ مرجھائے شجر حیدرؑ کے نیر بن چھیڑتے ہیں بستاں کے ثمر حیدرؑ کے
پیاسے تڑپے ہیں پڑے نورِ بصر حیدرؑ کے خشک لب دیکھ انھیں چشم ہے تر حیدرؑ کے

حسنِ تعلیل کی مثال کے لیے یہ بند دیکھ لیجیے:

بولے ہیں مرغِ چمن آج کہ نالاں ہیں ہم کہتے ہیں گل کہ سدا چاک گریباں ہیں ہم
ہے یہ سنبل کی زباں زد کہ پریشاں ہیں ہم نرگستاں کا سخن یوں ہے کہ حیراں ہیں ہم

اردو مرثیے پر تنقید کے حوالے سے بھی سوداؔ کا کلیدی کردار ہے۔ انہوں نے اپنے دور کے ایک مرثیہ گو میر محمد تقی عرف میر گھاسی کے ایک مرثیے پر کڑی تنقید کرتے ہوئے ایک مثنوی کہی ہے جو سبیل ہدایت کے نام سے ان کے کلیات میں شامل ہیں۔ (۱۲) ان کے تنقیدی

نظریات کے بارے میں ڈاکٹر ہلال نقوی کہتے ہیں: ''سوداؔ ہماری مرثیہ گوئی کی تاریخ کے وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے مرثیے کا مستقل شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی بہت بھرپور انداز میں شعوری طور پر مرثیت کے بعض پہلوؤں پر بے لاگ تنقید کی۔ عزلتؔ اور اس کے بعد علی قلی ندیمؔ نے بھی مرثیے کی ادبی پستی پر اظہار خیال کیا تھا مگر سوداؔ کے ادبی اقدام کی شدّت ایک تحریک کے برابر تھی۔ میر گھاسی کے مرثیے پر ان کی منظوم تنقید ان تمام سوالوں کا جواب بن جاتا ہے جو مرثیے کے آغاز سے خود ان کے دور تک کی مرثیہ گوئی کے متعلق ذہن میں اٹھتے ہیں۔'' (۱۳) سوداؔ کو مرثیہ نگاری کی طرف مائل کرنے والے محرکات میں ایک محرک وہ گروہ ہیں جنھوں نے مراثی میں نامناسب الفاظ داخل کیے اور صرف سامانِ گریہ کے طور پر مرثیہ گوئی کی۔ ان حالات میں انھوں نے مرثیے پر باقاعدہ تنقید کا آغاز کیا۔ انہوں نے سید محمد تقی عرف میر گھاسی کے ساٹھ بند پر مشتمل مربع مرثیے پر تنقید کرتے ہوئے رسالہ ''سبیلِ ہدایت'' لکھا جس کا مقصد مروج مرثیے کی ادبی حیثیت کو مستحکم کرتے ہوئے اسے محض آہ وزاری تک محدود نہ رہنے دینا تھا۔ (۱۴) الغرض سوداؔ نے مرثیے کو محض گریہ وزاری کا وسیلہ بنانے سے گریز کیا اور زبان و بیان کی مختلف جدتوں کے ذریعے اسے فنی طور پر نمایاں کیا۔ مرثیے کی روایت میں یہ جدّت سوداؔ کی عنایت ہے۔ اردو ادب کا یہ معمار ۲۷ جون ۱۷۸۱ء کو لکھنؤ میں انتقال کر گیا، اور امام باڑہ آغا باقر میں مدفون ہے۔ (۱۵)

حواشی:

۱۔ تاریخِ ادب اردو، رام بابو سکسینہ، مترجم مرزا محمد عسکری، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۸۷

۲۔ مرزا محمد رفیع سودا، خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء ص ۳۲۲

۳۔ انتخاب قصائد سودا و ذوق، سید انور علی، عظمیٰ پبلیکیشنز، حیدر آباد، ۱۹۶۸ء ص ۱۷

۴۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۱۷۶

۵۔ میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعرا، محمود فاروقی، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۵۷ء ص ۲۲۴

۶۔ مرزا محمد رفیع سودا تحقیقی و تنقیدی جائزے مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، ۲۰۰۱ء ص ۱۶۱

۷۔ اردو مرثیے کا سفر، کاظمی، سید عاشور، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی، ۲۰۰۶ء ص ۵۷

۸۔ اردو مرثیہ کے پانچ سو سال، عروج، عبدلرؤف، پبلشر عزا خانہ علی حسین اناؤ، ص ۵۲

۹۔ تاریخ اردو ادب جلد دوم، جمیل جالبی، ڈاکٹر، مجلس ترقی ادب لاہور، طباعت ہشتم ۲۰۱۶ء، ص ۵۵۰

۱۰۔ تاریخِ ادب اردو، رام بابو سکسینہ، مترجم مرزا محمد عسکری، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۸۳

۱۱۔ اردو مرثیہ، رضوی، سفارش حسین، مکتبہ جامعہ دہلی ۲۰۱۲ء، ص ۱۷۷

۱۲۔ کلیات سودا جلد دوم، سودا، رام نرائن لال بینی مادھو، الہ آباد، ۱۹۷۱ء ص ۲۷۶

۱۳۔ بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، ہلال نقوی، ڈاکٹر، محمدی ٹرسٹ، لندن، ۱۹۹۴ء، ص ۴۶

۱۴۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۶۳

۱۵۔ مرزا محمد رفیع ہندوستانی ادب کے معمار، قاضی افضال حسین، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء ص ۹۴

غیر مطبوعہ مرثیہ

جدید لکھنوی

غربت کی رات کچھ شبِ تربت سے کم نہیں

تعدادِ بند۔۔۔۱۴۱

غربت کی رات کچھ شبِ تربت سے کم نہیں یادِ وطن سے دل کو فراغ ایک دم نہیں
کب یہ کلام حسرت و درد و الم نہیں (۱) صحرا میں گر یہی ہے اداسی تو ہم نہیں
گردن وفورِ فکر سے سو بار جھک گئی
آئی ذرا جو تیز ہوا سانس رُک گئی

چلّا رہے ہیں ڈر سے درختوں پہ جانور مشرق سے بڑھ رہی ہے سیاہی کہ الحذر
پہنچا ہے آفتاب مقامِ غروب پر (۲) مغرب میں روشنی کا نمایاں ہے کچھ اثر
ہے دور روشنی بھی سیاہی جہاں پہ ہے
ہیں جس جگہ درخت اندھیرا وہاں پہ ہے

صحرائے ہولناک لرزتا ہے بند بند دن سے چلے گئے ہیں پہاڑوں پہ سب چرند
ہر سمت اس طرح سے درختوں پہ ہیں پرند (۳) منھ بازوؤں میں خوف سے آنکھیں کیے ہیں بند
ظاہر میں ہیں چرند بھلا کس شمار میں
اژدر زمیں میں شیر چھپے ہیں کچھار میں

آتی ہے سائیں سائیں کی ہر سمت سے صدا شب ہو گئی پہ ماہ میں بالکل نہیں ضیا
ظلمات میں کبھی یہ اندھیرا نہیں سنا (۴) آئیں یہاں جو خضرؑ بھی پائیں نہ راستا
بچتا نہ ایک بھی وہ اندھیرا ہے رات کا
دریا پہ شک ہے چشمۂ آبِ حیات کا

تھا تیرگی کا دخل فلک پر زمین پر ممکن نہ تھا ذرا جو نظر آئیں دشت و در
نکلا تھا جس جگہ پہ اسی جا پہ تھا قمر (۵) بس مختصر یہ ہے کہ اندھیرا تھا اس قدر
ظلمت نے بڑھ کے چال بدل دی جہان کی
مہتاب راہ بھول گیا آسمان کی

ظلمت کا کیا اثر ہے ہر اک سمت الاماں ہر چاہ پر دوات کا ہر اک کو ہے گماں
دیکھوں زمیں کو ہے اسی حسرت میں آسماں (۶) بالکل سیاہ ہوگئی ہیں سرخ مچھلیاں
پہنچا اثر کہاں پہ خدا کی پناہ ہے
حد ہوگئی کہ نہر کا پانی سیاہ ہے

بے نور تھے فلک پہ یہ تاروں کا رنگ تھا جیسے سیہ ردا میں ہوں سوراخ جا بہ جا
چل کر اندھیری رات میں گرتی جو تھی ہوا (۷) اُڑ اُڑ کے خاک جا رہی تھی جانبِ سما
کوشش تھی جان بچنے کی سارے جہان کو
اٹھ اٹھ کے ڈھونڈھتی تھی زمیں آسمان کو

بالکل ضیا کا نام نہ تھا دور اور قریب حیرت میں تھا ہر اک کہ یہ ظلمت بھی ہے عجیب
کالا تھا رنگ ماہ کی صورت تھی کیا مہیب (۸) اس وقت تک نہ ہیبتِ اصل ہوئی نصیب
باقی اثر ہے جبکہ تباہی کا آج تک
دھبّا گیا نہیں ہے سیاہی کا آج تک

ہے منزلوں زمین سیہ آسماں سیاہ تصویر قبر کے ہیں کہ ہیں سب مکاں سیاہ
ظلمت یہ کچھ یہیں نہیں ہے سب جہاں سیاہ (۹) صحرا ہیں سب سیاہ ہر اک بوستاں سیاہ
پہنچا اثر کہاں یہ خدا کی پناہ ہے
اس دن سے آج تک دلِ لالہ سیاہ ہے

ممکن نہیں جو آئے نظر شکلِ آسماں اپنی خبر نہیں ہے کہ بیٹھے ہیں ہم کہاں
دہشت ہے اس قدر کہ لرزتے ہیں استخواں (۱۰) ڈر ڈر کے شیر چیخ رہے ہیں کہ الاماں
آنا تھا اس طرف کو اُدھر کو جو پھر پڑے
سوجھی نہ راہ نہر میں چوپائے گر پڑے

بدلی ہوئی ہے کیفیتِ چرخِ فتنہ گر اپنی ضیا کو چھوڑ کے کالا ہوا قمر
ظلمت سے بند راستے ہیں سب اِدھر اُدھر (۱۱) ہے سب بجا یہ حال اگر کیجیے نظر
صورت محال ہے جو نظر آئے چین کی
یہ شب ہے روزِ قتلِ شہِؑ مشرقین کی

بیٹھے ہیں مغربین ادا کر کے شاہؑ دیں ہے دوسرا یہ روز کہ پانی ملا نہیں
خیموں میں روشنی کیے ہیں سارے اہلِ کیں (۱۲) اس سمت اک چراغ نہیں نام کو کہیں
سامان روشنی کا اُدھر کو بڑا رہا
لیکن خدا کے گھر میں اندھیرا پڑا رہا

کالی وہ رات اور وہ بچّوں کی بے کلی ڈر ڈر کے بیبیوں کا وہ کہنا کہ یا علیؑ
محسوس روشنی نہ ہوئی شمع گر جلی (۱۳) سو بار راستے میں گری جب ہوا چلی
جز تیرگی جہان میں نہ کچھ دور دور تھا
خیمے میں آفتابِ امامت کا نور تھا

بیٹھے تھے اپنے خیموں میں انصارِ با وفا روشن دلوں کو کوئی نہ تشویش تھی ذرا
پیہم حبیبؑ ابنِ مظاہر کی تھی صدا (۱۴) تاریکیِ جہان سے حضرت ہے ہم کو کیا
روشن ہے سب پہ الفتِ شہؑ آب وگل میں ہے
نورِ ولائے حضرتِ شبیرؑ دل میں ہے

ہیں چند سرفروشِ حضورِ شہِؑ انام دریا کی سمت پشت ہے منھ جانبِ امامؑ
کیا ذکر پیاس کا جو زبانوں پہ آئے نام (۱۵) کچھ شک نہیں یہ عاشقِ کامل ہیں لاکلام
طاعت سے شہؑ کی منھ یہ جواں پھیرتے نہیں
ہونٹوں پہ تشنگی میں زباں پھیرتے نہیں

بیٹھے ہیں سر جھکائے ادب سے وہ با وقار کرتے ہیں فکر سوچ کے یہ دل میں بار بار
مشہور ہیں حسینؑ سے غازی کے جان نثار (۱۶) شیروں کی چتونوں سے شجاعت ہے آشکار
کمریں بندھی ہیں شوق وغا میں کھنچی ہوئی
رکھّی ہوئی ہیں سامنے تیغیں کھنچی ہوئی

ایسے جہاں میں عاشقِ کامل سنے نہیں رکھتے ہیں ان کو دوست شہنشاہِ مہ جبیں
ہوتے ہیں ان صفات کے بھی آدمی کہیں (۱۷) اہلِ کمال اہلِ وفا صاحبانِ دیں
جز شاہِ دیں کسی سے نہ ربط اور نہ ساز ہے
ایسے ہیں یہ حسینؑ کو خود ان پہ ناز ہے

جتنے ہیں یہ طریقِ وفا جانتے ہیں سب خوش وضع خوش جمال خوش انداز خوش لقب
لاتے ہیں یہ زبان پہ راحت کا ذکر کب (۱۸) شوقِ وغا میں بیٹھ کے کاٹیں گے آج شب
ہیں جنگ کے خیال برابر بندھے ہوئے
رکھے ہیں سرفروشوں کے بستر بندھے ہوئے

کرتے ہیں گہہ تلاوتِ قرآں وہ نیک ذات تسبیح رکھ کے ہاتھ سے کہتے ہیں گہہ یہ بات
بچّوں کو بھوک پیاس میں کیونکر کٹے گی رات (۱۹) ہیں کچھ عجیب حال میں شبیرؑ خوش صفات
دل کو نہ ہے قرار جگر کو نہ چین ہے
ذکرِ خدا کبھی کبھی ذکرِ حسینؑ ہے

کہتے ہیں گاہ جوش میں آکر وہ خوش سیر آتی نہیں خیال میں بھی فوجِ اہلِ شر
آقا پہ ظلم کرتے ہیں مظلوم جان کر (۲۰) کھینچیں گے ہم جو تیغ تو بھاگیں گے بے ہنر
باتیں بہادری کی ہیں جرأت کے ذکر میں
ہمّت کے تذکرے ہیں شجاعت کے ذکر ہیں

پیہم حبیبؑ ابنِ مظاہر کے ہیں کلام پیری کی خیر جنگ بھی دیکھیں گے خاص و عام
یہ سن ہوا قدیم شہِؑ دیں کا ہوں غلام (۲۱) پہلے ہوں میں نثارِ امامِؑ فلک مقام
اب آرزو کمال ہے صبحِ امید کی
عزّت خدا کے ہاتھ ہے ریشِ سفید کی

ہیں اک طرف عزیزِ شہِؑ آسماں مقام ہر ایک کر رہا ہے لڑائی کا انتظام
تلوار کس کے دیکھتا ہے کوئی لالہ فام (۲۲) کوئی درست کر رہا ہے تیغ کا نیام
برہم ہیں آرزوئے وغا ہے بڑھی ہوئی
ہیں تیوریاں جلال میں سب کے چڑھی ہوئی

سب سے سوا ہے حضرتِ زینبؑ کو انتشار بچّوں کو دے کے نیچے کہتی ہیں بار بار
گو بھوک پیاس سے ہو پریشان و بیقرار (۲۳) ہنگامِ صبح جنگ ہے آقا کے میں نثار
پیارو کمی نہ کیجیو نصرت میں بھائی کی
عزّت تمھارے ہاتھ ہے زہراؑ کی جائی کی

سمجھا رہی ہے قاسمؑ ناشاد کو یہ ماں جب سے تمھارے باپ سدھارے ہوئے جناں
ظاہر ہے ہے جو مرحمتِ سرورؑ زماں (۲۴) ہنگامِ صبح جنگ ہے درپیش میری جاں
بیٹا ادائے حقِّ محبّت ضرور ہے
صدقے گئی حسینؑ کی نصرت ضرور ہے

ہیں انتظارِ صبح میں انصار بے قرار گہہ بیٹھتے ہیں اور کبھی اٹھتے ہیں جاں نثار
کہتے ہیں آکے صحن میں پیہم وہ ذی وقار (۲۵) کیا روز حشر ہوگئی شب میرے کردگار
خورشید نکلے نورِ رسالتؐ کا واسطہ
جلدی ہو صبح مہرِ امامت کا واسطہ

باتیں یہ سن کے کہتے ہیں شبیرؑ خوش صفات مرنے کو میرے عشق میں سمجھے ہیں یہ حیات
کرنا جزائے خیر عطا رن میں پاک ذات (۲۶) معبود میری عمر کی یہ آخری ہے رات
تو ہے معین و ناصر و حامی حسینؑ کا
دشمن جہاں ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کا

عباسؑ کو حفاظتِ سرورؑ کا ہے خیال ہر دم یہ دھیان ہے نہ ہو بے پردگیِ آلؑ
ہیں ساتھ دونوں حضرتِ زینبؑ کے نونہال (۲۷) کوئی اندھیری رات میں پاس آئے کیا مجال
تیغیں کھنچیں ہیں ابروؤں میں بل پڑے ہوئے
ہیں خیمۂ حسینؑ کے در پر کھڑے ہوئے

سرگرمِ اہتمام ہیں عباسِؑ نوجواں کس کس کے باندھے جاتے ہیں خیمے کی ڈوریاں
بیٹھے ہیں پاسبان برابر یہاں وہاں (۲۸) جھونکا ہوائے تند کا آیا کوئی جہاں
منھ دامنوں سے ڈھانپ کے انصار ہٹ گئے
پردے سے بڑھ کے عونؑ و محمدؑ لپٹ گئے

گرمی وہ انتہا کی وہ ظلمت کہ الحذر نکلا ہوا تھا گو کہ سرِ شام سے قمر
لیکن نظر نہ آتا تھا کچھ بھی اِدھر اُدھر (۲۹) ہر ایک کو زمین کے تپنے سے تھا خطر
ایذا کبھی اُٹھائی نہ تھی جو وہ سہ گئے
آئی جو چاندنی تو دھواں بن کے رہ گئے

مر مر گئے چرند ہوئے قافلے تباہ گردوں پہ دود و آہ کا ہوتا تھا اشتباہ
ہو کر سیاہ گیسوئے سنبل ہوئے گیاہ (۳۰) مسدود تیرگی سے ہوئی یوں ہر ایک راہ
رستہ کسی طرح سے ذرا بھی نہ پا سکے
پروانے شمع تک کسی صورت نہ آسکے

نعرے وہ ناصرانِ شہِؑ دیں کے بار بار مانندِ شیرِ اکبرؑ و عباسِؑ نامدار
ہیں نیچے لیے ہوئے زینبؑ کے گلعذار (۳۱) مسلمؑ کے پھول حضرتِ شبرؑ کی یادگار
فوجوں کو ایک دم میں ابھی دیکھ بھال لیں
کوئی نظر اُٹھائے تو آنکھیں نکال لیں

ہاتھوں میں سب کے دستِ علیؑ کی صفائیاں ہیں نیزہ بازیاں وہی تیغ آزمائیاں
کھلتے ہیں دل کہ یاد ہیں عقدہ کشائیاں (۳۲) بازو ہیں زور دار قوی ہیں کلائیاں
انداز سب ہیں یاد وغائے حسینؑ کے
تعلیم یافتہ ہیں شہِؑ مشرقین کے

سربر ہو ان جوانوں سے کوئی یہ کیا مجال دم بھر میں لشکروں کو بھگا دیں دمِ جدال
شیروں سے بڑھ کے رکھتے ہیں دل یاں کے خوردسال (۳۳) یہ بات اور ہے کہ نہ آئے انھیں جلال
کیونکر نہ ہوں طریقِ نبیؐ کے وزیر کے
آخر یہ شیر ہیں اسدِ قلعہ گیر کے

باتیں بہادری کی ہیں مرنے کا ولولہ گھٹتی ہے رات جنگ کا بڑھتا ہے حوصلہ
شکوہ نہ بھوک کا ہے نہ ہے پیاس کا گِلہ (۳۴) ہے ذکر دھوپ میں یہ روانہ ہو قافلہ
پہنچیں جناں میں جلد نہ بالکل درنگ ہو
گر آج آفتاب نکلتے ہی جنگ ہو

بیدار سب ہیں نیند کسی کو نہیں ذرا باہر ہے غازیوں میں شجاعت کا تذکرہ
ہر ایک کا ہے قصہ کہ ہوں شاہؑ پر فدا (۳۵) سب کو ہے شوق نصرتِ شاہِؑ انام کا
ہونگا فدائے شہؑ یہ بیاں ہے اشارے میں
اصغرؑ کو بھی قرار نہیں گاہوارے میں

ہیں طاعتِ کریم میں مصروف سب کے سب ہمراہ شاہؑ سب نے پڑھی ہے نمازِ شب
ہر حال میں یہ کرتے ہیں تعمیلِ حکمِ رب (۳۶) فکرِ نمازِ صبح میں بیٹھے ہوئے ہیں اب
خوشنودیِ خدا پہ جو تھے دل دیئے ہوئے
اکبرؑ چلے اذاں کو تیمّم کیے ہوئے

بھر آئے سب کے اشک کہی اس طرح اذاں معبود رحم کر یہ پکارے شہِؑ زماں
داؤدؑ باغِ خلد میں کرنے لگے فغاں (۳۷) رہتی ہے ایسے حال میں طاقت بھلا کہاں
چہرہ تھا زرد کثرتِ اندوہ و یاس سے
آواز کانپ کانپ گئی بھوک پیاس سے

شبیرؑ نے پڑھائی جماعت سے جب نماز مانگیں دعائیں سب نے جھکا کر سرِ نیاز
کرنا ہمیں شرف سے شہادت کی سرفراز (۳۸) نکلے بدن سے روح حضورِ شہِؑ حجاز
ہو وقتِ مرگ دھیان شہِؑ دیں پناہ کا
کھنچتی ہو روح ہاتھ میں دامن ہو شاہؑ کا

پڑھ کر نماز دشت میں تشریف لائے شاہؑ ہمراہ تھے عزیز اور انصارِ خیر خواہ
نکلا سحر کے وقت ستاروں سمیت ماہ (۳۹) روشن تمام ہوگیا صحرا جو تھا سیاہ
چہرے کے شاہؑ دیں کے ضیا دور تک گئی
باغِ نبیؐ کے پھول کی کوسوں مہک گئی

فیضِ قدم سے ہو گیا سب دشت بوستاں ظلمت گھٹی سحر کی سفیدی ہوئی عیاں
سب کو دکھائی دینے لگی شکلِ آسماں (۴۰) وردی سپاہِ شام میں بٹنے لگی وہاں
غل پڑ گیا نسیم ذرا تیز جو گئی
سبزے کو ہوشیار کرو صبح ہوگئی

بڑھ کر چلی نسیمِ سحر کو جہاں ذرا فوراً اُتر کے نخل سے بلبل نے دی صدا
کیا ہے کہ آج تک نہ تکدّر ترا کیا (۴۱) پڑ جائے اڑ کے رد تو کیا رنگ ہو بتا
تیزی بہت نہ کر یہ ترے کیا خیال ہیں
او بے ادب کھلے ہوئے سنبل کے بال ہیں

معبود کی ہے شان جدھر کیجیے خیال ہیں پھول لاجواب تو غنچے ہیں بے مثال
سنبل کا ہے بگاڑ میں بھی طرفہ تر جمال (۴۲) سبزے پہ کیسے حُسن سے پھیلے ہوئے ہیں بال
جو دیکھتا ہے صاف یہ اُس کے کلام ہیں
ظلمات میں یہ خضر علیہ السلام ہیں

بلبل کا دل ہے رشک کی شمشیر سے فگار یہ دھیان ہے کہ باغ میں دیکھوں نہ ایک خار
آنا ہوائے تند کا ہوتا ہے ناگوار (۴۳) پھولوں پہ ہے نگاہ یہ کہتی ہے بار بار
یوں چاہے جتنی تیزیاں بادِ صبا کرے
سنبل کے گیسوؤں سے نہ الجھے خدا کرے

آتش کدہ ہے آتشِ گل سے تمام باغ ہیں سرخ سرخ پھول کہ روشن ہیں یہ چراغ
ہے بلبلوں کو سوزِ محبّت سے کب فراغ (۴۴) لالے کے دل میں صاف نظر آرہا ہے داغ
لے کر ہزاروں پھول چمن سے نکل گیا
کیا وجہ تھی کہ دامنِ گلچیں نہ جل گیا

تاثیر کسی آتشِ گل کی ہے الاماں شبنم گری چمن میں تو اٹھنے لگا دھواں
شعلہ ہے ایک جا پہ گُلِ چرخ ہیں جہاں (۴۵) چاروں طرف کو باغ میں پانی نہیں رواں
اہلِ چمن نچوڑتے ہیں آستین کو
گرمی سے آ رہا ہے پسینہ زمین کو

نرگس کسی جگہ پہ گلوں میں جو ہے کہیں بلبل کو ہے وہ غیظ کہ کچھ انتہا نہیں
کہتی ہے ہم نے دیکھی ہے یہ کیفیت یہیں (۴۶) درکارِ امتیاز ہے گو ایک ہے زمیں
آیا نہ دھیان کچھ کہ ہماری یہ جا نہیں
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر سوجھتا نہیں

اب تو اثر ہے آتشِ گل کا علی العموم آئی یہاں جو بادِ سحر ہوگئی سموم
جلنے لگیں نہ نخل کہیں ہر طرف ہے دھوم (۴۷) گرمی ہے بلبلوں کا لبِ نہر ہے ہجوم
پانی ہوا ہے گرم زمیں کے بخار سے
اُف اُف کی آرہی ہے صدا آبشار سے

پانی ہے جس مقام پہ ہے وہ جگہ پسند کھولے ہوئے پروں کو پڑے ہیں وہاں پرند
بلبل کو سوزِ عشق ہے جلتا ہے بند بند (۴۸) پھر کس طرح نہ آتشِ گل اور ہو دو چند
ہے عافیت کا دھیان زمانے کے واسطے
آیا ہے ابر آگ بجھانے کے واسطے

ممکن نہیں کہ کثرتِ گُل کا کروں بیاں تھے ہر طرف بھرے ہوئے صحرا و بوستاں
آخر کو اُٹھ گئے طرفِ گلشنِ جناں (۴۹) باقی جو رہ گئے تھے وہ موجود ہیں یہاں
کیں کوششیں ہزار نہ ہرگز سما سکے
آخر کو سب نہ گلشنِ جنّت میں آسکے

بس اے جدیدؔ ختم کرو اب یہ داستاں اس رنگ میں تمھیں تو نہ تھی کھولتی زباں
پر کیا کروں کہ حال یہ درکار تھا یہاں (۵۰) ہمسر کوئی جہاں میں ہو کیا تاب کیا تواں
ہے ان کو ناز رحمتِ ربِّ مجید پر
بس ختم ہے یہ رنگ جنابِ رشیدؔ پر

جو کچھ ہے تم کو مدِّ نظر وہ کرو بیاں دیکھو اُدھر جو دیکھ چکے سیرِ بوستاں
تیر آ رہے ہیں جانبِ سلطانِؑ انس و جاں (۵۱) زہراؑ کے گلعذار ہیں سب عازمِ جناں
حسرت عیاں ہے روح شہؑ مشرقین سے
سب مانگتے ہیں رخصتِ میداں حسینؑ سے

مجبور ہیں حسینؑ نہ دیں کس طرح رضا کام آ رہے ہیں جنگ میں انصارِ با وفا
کیا کر رہے ہیں حقِّ رفاقت کو سب ادا (۵۲) روتے ہیں سب کے حال پہ مظلومِ کربلا
حاضر ہیں منھ کو اشکوں سے دھونے کے واسطے
لاشوں پہ سب کے جاتے ہیں رونے کے واسطے

جس وقت کام آ گئے سارے رفیق و یار چھٹنے لگے عزیز شہنشاہِؑ نامدار
حضرتؑ نے سہ لیا غمِ عباسِؑ ذی وقار (۵۳) اکبرؑ کے غم نے دل کو کیا اور بے قرار
پیری میں خوب وعدۂ طفلی ادا کیا
اصغرؑ کو لا کے خیمے سے نذرِ خدا کیا

ان غازیوں کی یاد میں رکنے لگا جو دم کذا تشریف لائے گھر میں امامِؑ فلک حشم
زینبؑ کا حال دیکھ کے روئے شہؑ امم (۵۴) بیٹھے ہوئے یہ دھوپ میں کہتے تھے دم بدم
اکبرؑ ہوا نہ میرے حالِ تباہ کا
سہرا پھوپھی کو تم نے دکھایا نہ بیاہ کا

چادر میں خونِ اکبرؑ مہرو بھرا جو تھا کہتی تھیں اس کو دیکھ کے یہ بنتِ مرتضیٰؑ
دل میرے نوجوان کا مجروح ہوگیا (۵۵) دی تم نے مجھ کو خوب نشانی میں ہوں فدا
تم تو اُٹھا کے پیاس کی ایذا گذر گئے
صدقے گئی پھوپھی کا جگر خون کر گئے

فرما رہی تھیں آئیں جو خیمے میں شاہِؑ دیں ان سے کہوں کہ گھر میں میں رہنے کی اب نہیں
بیٹھوں گی جا کے قبر پہ اکبرؑ کی میں حزیں (۵۶) سویا کروں گی رات کو آرام سے وہیں
اٹھّوں گی مر کے اس مہِ انور کی قبر سے
باتیں کروں گی رات کو اکبرؑ کی قبر سے

پوچھے گا گر کوئی تو کروں گی میں یہ بیاں اٹھّارہ سال کی ہے ریاضت یہ نوجواں
آرام اس سے چھوٹ کے آتا بھلا کہاں (۵۷) پیاسا گیا جہاں سے سوئے گلشنِ جناں
تربت پڑی ہے خشک تری اک ذرا نہیں
رکھتی سبیل پر مجھے پانی ملا نہیں

باتیں یہ سن چکے تو پکارے شہؑ زمن گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئی جلدی وہ خستہ تن
لپٹی یہ کہہ کے بھائی سے وہ کشتۂ محن (۵۸) اکبرؑ سوئے بہشت گئے لٹ گئی بہن
خنجر غم و الم کا مرے دل پہ چل گیا
قربان جاؤں میرا کلیجہ نکل گیا

دیکھا جو سوئے بانوےؑ مضطر گئی نظر جھولے کے پاس خاک پہ بیٹھی ہیں ننگے سر
نالے یہ ہیں نثار ہو مادر گئے کدھر (۵۹) اصغرؑ تمھاری پیاس کے صدقے یہ نوحہ گر
پہلے یہ ماں نہ دارِ فنا سے گذر گئی
تم مر گئے میں پالنے والی نہ مر گئی

بیٹا تمھارے کاموں سے فرصت نہ تھی ذرا تعویز گہہ پنھائے شلوکا کبھی سِیا
کیسا گھٹے کا رات کو دم میرے مہ لِقا (۶۰) ویران گود ہوگئی جھولا اُجڑ گیا
اس سِن میں بھوک پیاس کے صدمے گذر گئے
تم گھٹنیوں بھی چلنے نہ پائے کہ مر گئے

فرمایا شہؑ نے آؤ اِدھر بانوےؑ حزیں بولے بٹھا کے زینبؑ ناشاد کے قریں
دے اِن کو تم کو صبر خدا جلد اب کہیں (۶۱) جو کچھ کہو بجا ہے ذرا اس میں شک نہیں
اصغرؑ سے تم یہ اکبرؑ مہرو سے چھٹ گئیں
تم بھی تباہ ہوگئیں خواہر بھی لٹ گئیں

بانوؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولیں بصد بکا رکھتی ہے عرض آپ سے یہ غم کی مبتلا
کچھ ذکر کیجیے مرے دلبر کا میں فدا (۶۲) جب آپ یاں سے لے گئے آقا تو کیا ہوا
آخر کسی کو رحم بھی آیا تھا یا نہیں
پانی کسی نے اس کو پلایا تھا یا نہیں

گویا ہوئے حسینؑ سنو دل کو تھام کر نکلا میں گھر سے لے کے پریشان و نوحہ گر
یہ دھیان تھا کہ پیاس سے آخر ہے یہ قمر (۶۳) شاید پلائے آب اسے فوجِ اہلِ شر
ڈھانپے ہوئے عبا تھا کہ یوں انتہا کی تھی
لازم تھی احتیاط امانت خدا کی تھی

شدّت سے تھی یہ پیاس تڑپتا تھا خوردسال تھے ہونٹ خشک سرد بدن اور جی نڈھال
پہنچا میں جلد جلد سوئے عرصۂ قتال (۶۴) پانی کا اس طرح سے کیا فوج سے سوال
غیرت کمال آئی بہت رنج بڑھ گیا
بانوؑ میں جا کے ایک بلندی پہ چڑھ گیا

ہاتھوں پہ رکھ کے اس مہِ انور کو ایک بار اونچا کیا کہ دیکھ لے فوجِ جفا شعار
پھر یہ کہا پکار کے اے قومِ نابکار (۶۵) یہ تو ہے بے قصور جو میں ہوں گناہ گار
زحمت سہی تھی تشنہ دہانی کے واسطے
آیا ہے خیمہ گاہ سے پانی کے واسطے

معصوم ہے صغیر ہے سب اس پہ رحم کھاؤ تھوڑا سا لا کے نہر سے پانی اسے پلاؤ
لے جاؤ میری گود سے کیا دیکھتے ہو آؤ (۶۶) ہوگا ثواب نہر پہ خود اس کو لے کے جاؤ
پانی اسے پلاؤ کہ پوتا علیؑ کا ہے
یہ تازہ نونہال ریاضِ نبیؐ کا ہے

بانوؑ عجیب کرب میں تھا اس گھڑی صغیر بس حرملہ نے بڑھ کے لگایا جو ایک تیر
آخر پڑا گلے پہ وہ تیرِ قضا نظیر (۶۷) آنکھیں اُلٹ کے رہ گئیں حالت ہوئی تغیر
کیا دفعتاً حیات کی صورت بگڑ گئی
ننّھا سا منھ تو کھول دیا سانس اُلٹ گئی

یہ سن کے پیٹنے جو لگی سر وہ سوگوار بولے حسینؑ روؤ نہ بانوئے دلفگار
باقی ہے اور ابھی تو بہت حالِ شیرخوار (۶۸) آ کر گلے میں رہ گیا تیرِ ستم شعار
کھینچا جو میں نے تیر جہاں سے گذر گیا
منھ سے لہو اُگل کے وہ معصوم مر گیا

تنہا بنائی تیغ سے ننھّی سی اس کی قبر رکھی لحد میں لاش کیا اپنے دل پہ جبر
کی قبر بند مجھ کو دیا کبریا نے صبر (۶۹) چھائے ہوئے تھے گو کہ بہت دل پہ غم کے ابر
اُف کی نہ منھ سے گو کہ بڑی ابتری ہوئی
ہاتھوں میں ہے یہ قبر کی مٹّی بھری ہوئی

یہ سن کے شاہِ دیں سے پکاری وہ سوگوار اصغرؑ تری لحد کے یہ ماں غمزدہ نثار
چھاتی سے کس طرح میں لگاؤں ترا مزار (۷۰) اے لال تیرے مرنے کا قصّہ ہے یادگار
اولاد والے آنسوؤں سے منھ کو دھوئیں گے
بچّے بھی تیرا حال سنیں گے تو روئیں گے

بانوؑ کے بین سن کے قلق ہوگیا سِوا جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے مظلومِ کربلا
گویا ہوئے سبھوں کو سپردِ خدا کیا (۷۱) بڑھ کر بہن کو شہؑ نے گلے سے لگا لیا
روئے بہت لپٹ کے تو کیا دل کو کل پڑے
روکا حسینؑ نے مگر آنسو نکل پڑے

گویا ہوئے جو شام سے جانا سوئے وطن صغراؑ سے یاد کر کے یہ کہنا تم اے بہن
گو تھے ہزار دل پہ غم و صدمہ و محن (۷۲) رخصت کے وقت مجھ سے یہ ہر بار تھے سخن
کہتے تھے زندگی غمِ فرقت سے شاق ہے
صغراؑ کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے

میری طرف سے اس سے یہ کرنا بہن بیاں ہم بھیجتے وطن تمھیں لینے کو میری جاں
پر کیا کریں رہے نہ علی اکبرؑ جواں (۷۳) اس بے کسی میں ٹوٹ پڑا ہم پہ آسماں
ہے یہ دعا شفا مرے ربِّ جلیل ہو
عابدؑ یہاں مریض وہاں تم علیل ہو

یہ کہہ چکے تو اور سبھوں سے ملے گلے یہ کہہ کے ہاتھ زینبؑ ناشاد نے ملے
یاں موت لائی فاطمہؑ کی گود میں پلے (۷۴) روتا بہن کو چھوڑ کے سلطانِؑ دیں چلے
پیہم تھے یہ کلام شہؑ دل ملول کے
سب کو کیا سپردِ خدا و رسولؐ کے

پردہ اُٹھا کے آئے امامؑ فلک جناب دیکھا کھڑا ہے در کے قریں اسپِ لاجواب
دامن کمر میں رکھ کے بڑھے ابنِ بوترابؑ (۷۵) دیکھا سپاہِ شام کو آنے لگا عتاب
ثابت ہوا کہ پاؤں کو چُوما ہلال نے
رکھّا قدم رکاب میں زہراؑ کے لال نے

بیٹھے سنبھل کے مثلِ علیؑ شاہِ بحر و بر غصّے میں فوجِ شام پہ پڑنے لگی نظر
رہوار پر جو مہرِ امامت ہے جلوہ گر (۷۶) جنگل میں روشنی ہے نمایاں اِدھر اُدھر
سرکا ہوا ہے رُخ سے جو گوشہ نقاب کا
سب جانتے ہیں پھول کھلا ہے گلاب کا

لی ہاتھ میں جو باگ پری بن گیا سمند پر بن گئے ہیں دامنِ زیں حُسن سے دو چند
سرعت اسے پسند یہ سرعت کو ہے پسند (۷۷) پریاں بلائیں لیتی ہیں ایسے ہیں جوڑ بند
ہے جلد آئینہ یہ عجب راہوار ہے
چہرے سے الفتِ شہِؑ دیں آشکار ہے

جاتا ہے یوں کہ ہل رہی ہے دشت کی زمیں ہے خیریت کہ باگ کو روکے ہیں شاہِؑ دیں
گردوں سے کہہ رہا ہے کہ بچنے کا تُو نہیں (۷۸) ڈھیلی ذرا ہو باگ تو پہنچوں ابھی وہیں
تُو نے ہر اک کو موردِ رنج و بلا کیا
ہم کو نہ پائمال کیا گر تو کیا کیا

کرتا ہے زور اسپ شہنشاہِؑ مہ جبیں کہتا ہے پائمال ہوں ٹاپوں سے سب لعیں
کھینچے ہیں باگ روکتے جاتے ہیں شاہِؑ دیں (۷۹) ارشاد کر رہے ہیں کہ موقع ابھی نہیں
گھوڑا ہے شیر بادشہِؑ دیں پناہ کا
لشکر یہ جا پڑے جو اشارہ ہو شاہؑ کا

تعریف اس فرس کی کسی سے بھلا ہو کیا مشہور تھا یہ زینتِ اصطبلِ مصطفےٰؐ
اس تیز رو کا نام جبھی ہما سے ہے بادپا (۸۰) اس وقت بھی خدا نے دیا ہے یہ مرتبا
دلدل سے بڑھ کے اس کو شرف دستیاب ہے
راکب سوارِ دوشِ رسالتؐ مآب ہے

بن کر چلا جو چال تو روندے دلِ حسینؑ دوڑا جو زور سے تو لرزنے لگی زمیں
پیکِ خیال سے یہ فرس تیز ہے کہیں (۸۱) قوّت کی انتہا نہیں تیزی کی حد نہیں
دوڑی ذرا جو ساتھ ہوا ہانپنے لگی
ماری جو ٹاپ گاوِ زمیں کانپنے لگی

ہر بات سے شکوہ و تجمّل ہے آشکار دامانِ زین ہے دامن یوسفؑ سے شاندار
پیارے وہ جال جس پہ ہوں کبکِ دری نثار (۸۲) ہیکل کی ہے صدا کہ خبردار ہوشیار
اونچا ہے سر نشاں سے یہ اقبال و جاہ کا
کلغی بتا رہی ہے کہ گھوڑا ہے شاہؑ کا

آمد ہے رن میں بادشہِ دیں پناہ کی مطلع ڈر سے لرز رہی ہے زمیں رزم گاہ کی
اڑتی ہے گرد پائے فرس سے جو راہ کی (۸۳) آنکھیں چھپک رہی ہیں عدو کی سپاہ کی

یہ کانپتا ہے ہاتھ ہر ایک پہلوان کا
چلّہ کسی طرح نہیں چڑھتا کمان کا

سکتے میں ہے سپاہ فقط بولتا ہے رن تیغیں پڑی ہیں خاک پہ بیٹھے ہیں تیغ زن
خالق بچائے جان یہ آپس میں ہیں سخن (۸۴) دہشت یہ ہے کہ کھل گئے ہیں ناریوں کے تن

تھیں کب سے آرزوئے وغا میں بندھی ہوئی
کُھل کُھل گئیں جو چست تھیں کمریں کسی ہوئی

ہے چار سمت معرکۂ حشر آشکار گھوڑوں سے کود کود پڑے ہیں جو تھے سوار
چاروں طرف کو بھاگتے پھرتے ہیں راہوار (۸۵) پیاری اگر ہے جان تو بھاگو یہ ہے پکار

ہے رنگ زرد خوف سے دل ہیں مرے ہوئے
خیموں میں افسرانِ سپہ ہیں ڈرے ہوئے

یہ حال تھا کہ آ کے تھمے بادشاہِ دیں گویا ہوئے حواس ابھی سے بجا نہیں
اب بھی جفا و جور سے باز آئیں اہلِ کیں (۸۶) دنیا کی آرزو میں عبث کھو رہے ہو دیں

اندھے ہوئے ہو خاک تمھیں سوجھتا نہیں
کوئی مرا قصور نہیں کچھ خطا نہیں

یہ کہہ رہے تھے شاہؑ کہ لشکر سے تیر آئے بھاگے ہوئے جو تھے وہ سمٹ کر شریر آئے
افسر جو مارے خوف کے تھے گوشہ گیر آئے (۸۷) غصّے میں اس طرف شہِؑ گردوں سریر آئے

ڈورا کھلا اشارۂ دستِ امامؑ سے
شمشیرِ مرتضیٰ نکل آئی نیام سے

مانندِ برق لشکرِ کفّار پر گری پیدل پہ گاہ اور کبھی اسوار پر گری
اٹھنے لگے شرار جو کہسار پر گری (۸۸) تھا خاک جس شریر و بداطور پر گری

سرکی جلا کے تیغ شہِؑ بے نظیر کی
گھوڑے نے بڑھ کے خاک اڑا دی شریر کی

ہیں آج اسپ و تیغِ شہِؑ نامدار ایک ممکن نہیں ہے یہ کہ بچے بدشعار ایک
دونوں کا ہے طریق دمِ کارزار ایک (۸۹) کیا خوف ہے ہوئے ہیں جو سب بدشعار ایک

اس نے گرا کے اسپ سے بے حال کردیا
ٹاپوں سے اس نے دوڑ کے پامال کردیا

سر سے بڑھی جو تیغِ شہنشاہِؑ بحر و بر سینے میں آکے کر دیے زخمی دل و جگر
جاری لہو کا رن میں ہے دریا اِدھر اُدھر (۹۰) ہے جوہروں میں سرخیِ خونِ سیاہ تر
ہے طرفہ شکل تیغِ شہؑ لاجواب کی
جوہر تمام بن گیں کلیاں گلاب کی

اٹھتی ہے گر کے فرق پہ جس دم وہ آبدار چھینٹیں فلک پہ خون کی جاتی ہیں بار بار
ہے دھیان سرکشی کا نہ ہو طور آشکار (۹۱) اس واسطے جھکا ہوا ہے چرخِ کج مدار
اونچا کیا جو ہاتھ شہؑ لاجواب نے
قبضے کو بڑھ کے چُوم لیا آفتاب نے

جاتے ہیں اسپ و تیغ برابر اِدھر اُدھر پامال ہورہے ہیں بداختر اِدھر اُدھر
کٹ کر زمیں پہ گر رہے ہیں سر اِدھر اُدھر (۹۲) جاتا ہے ابرِ فوجِ ستمگر اِدھر اُدھر
یہ شور ہے حیات خدا ہی کے ہاتھ ہے
بجلی بھی کوندتی ہوئی آندھی کے ساتھ ہے

مدّت سے ہے یہ تیغ حسینؑ جری کے پاس اکثر برائے حفظ رہی ہے نبیؐ کے پاس
بھیجی خدا نے اپنے نبیؐ کے وصی کے پاس (۹۳) جبریلؑ لائے عرش سے آئی علیؑ کے پاس
قبضے کو دیکھ کر یہی سب کے بیان ہیں
دستِ خدا کی انگلیوں کے سب نشان ہیں

غصّے میں ہے کمالِ شجاعت بڑھی ہوئی پیری میں ہے شباب سے قوّت بڑھی ہوئی
ہے بحر کی طرح سے طبیعت بڑھی ہوئی (۹۴) پر ہے غضب سے شاہؑ کی رحمت بڑھی ہوئی
اُمّت نبیؐ کی جان کے شفقت کو راہ دی
جس نے پناہ آپ سے مانگی پناہ دی

سب فوج کو مٹا کے پھرے جب شہؑ زماں اترے فرس سے خاک پہ سلطانِؑ انس و جاں
زخموں سے خون بہہ کے ہوا ہر طرف رواں (۹۵) گویا ہوئے یہ تربتِ اصغرؑ سے ناگہاں
پانی کا کام لیتے ہیں ہم اپنے خون سے
تربت بھگوئے جاتے ہیں زخموں کے خون سے

یہ کہہ چکے تو فوج پہ مانندِ شیر آئے بہرِ وغا جو آئے وہ جینے سے سیر آئے
نعرے تھے سامنے جو بڑا ہو دلیر آئے (۹۶) جو مستعد تھے جنگ پہ منہ ان کے پھیر آئے
ہیبت سِوا تھی غیظِ شہؑ دیں پناہ سے
اہلِ نفاق بھاگ گئے رزم گاہ سے

جن پر گری وہ برق وہ سب پہلواں جلے جل جل گئے تمام پھرہرے نشاں جلے
نزدیک تھا زمین جلے آسماں جلے (۹۷) بس انتہا ہوئی کہ پرِ مرغِ جاں جلے
بجلی تڑپ تڑپ گئی ہر بار کاٹ پر
دریا میں آگ لگ گئی چمکی جو گھاٹ پر

پہنچے قریبِ نہر تو بھائی کو دی صدا تم تو غموں سے چھوٹ گئے ہم ہیں مبتلا
لڑتے نہ ہم کبھی جو سناتے نہ اشقیا (۹۸) افسوس قدر دان ہمارا کوئی نہ تھا
تھا وار ضربِ فاتحِ بدر و حنین کی
عباسؑ تم نے جنگ نہ دیکھی حسینؑ کی

پھر مڑ کے سوئے لاشۂ اکبرؑ کیا خطاب بالکل غمِ فراق سے ہے زندگی خراب
افسوس قدر آپ کی سمجھے نہ بے حجاب (۹۹) یوسفؑ کو یہ ہوا نہ کبھی حُسن دستیاب
مشہور ہوگئی تھی نشانی رسولؐ کی
تھا آپ کا شباب جوانی رسولؐ کی

یہ کہہ کے حملہ ور جو ہوئے ہل گئی زمیں ہے فیض میں چڑھی ہوئی کرتے کی آستیں
بھاگڑ ہے ہوش میں نہیں ہیں دشمنانِ دیں (۱۰۰) کہتے ہیں چپ رہیں جو جگہ ہو ذرا کہیں
طاقت نہ پاؤں میں ہے نہ ہاتھوں میں زور ہے
بھاگو خدا کے واسطے بھاگو یہ شور ہے

ڈر ڈر کے ہو رہی ہے ہر اک تن سے جاں جدا بسمل یہاں الگ ہیں پرے ہیں وہاں جدا
گرتے ہیں مر کے مرکبوں سے پہلواں جدا (۱۰۱) اُڑ اُڑ کے خاک ہے سوئے گردوں رواں جدا
باقی رہا نہ ربط جو سارے جہان سے
آخر زمین جا کے ملی آسمان سے

حملوں سے شاہِ دیں کے پریشاں تھے اہلِ شر اک ایک نے یہ دی پسرِ سعد کو خبر
اب فتح ہوگئی تری مطلق نہ کر خبر (۱۰۲) آیا وہ پہلوان جو ہے سینکڑوں میں وا
قوّت میں مثلِ رستم و سہراب و زال ہے
لاکھوں سے اس کی تیغ کا رکنا محال ہے

یہ ذکر تھا کہ آکے تھما وہ زبوں خصال دیکھا تمام دشتِ ستم ہے لہو سے لال
احوال سن چکا تو کیا شمر سے سوال (۱۰۳) کیونکر کہوں کہ آپ کے لشکر کا ہے یہ حال
لوں گا عوض حسینؑ سے ایسا لڑوں گا میں
دیکھے یہیں سے فوج اکیلا لڑوں گا میں

یہ کہہ کے بادہ خوار چلا جانبِ امامؑ وہ شکل جس کو دیکھ کے ڈر جائیں خاص و عام
آنکھیں وہ سرخ اور وہ چہرہ سیاہ فام (۱۰۴) تاریکیِ لحد کا ہے روشن اسی سے نام
کیا لڑ سکے گا فوج میں سب کے بیان ہیں
مے نوش یہ وہ ساقیِّ کوثر کی جان ہیں

ہاں ساقیا زلالِ مئے لال فام لا آیا ہوں سن کے تیری سخاوت کا نام لا
دریا دلی دکھا کئی بھر بھر کے جام لا (۱۰۵) پیاسا بہت ہوں بحر شہِؑ تشنہ کام لا
ہر گھونٹ پر ہو ذکر جنابِ امیرؑ کا
شیشہ منگا لے بادۂ خمِّ غدیر کا

ساقی شراب ناب کا لوں گا نہ تجھ سے جام توبہ ہے میرے سامنے لینا نہ اس کا نام
صد شکر اس کے نشے سے سرشار ہوں مدام (۱۰۶) ہر دم شرابِ حُبِّ علیؑ سے مجھے ہے کام
کوثر ہے کیا بھرے گا نہ دل مجھ فقیر کا
قطرہ ہے ایک بادۂ خمِّ غدیر کا

اس کی ثنا میں کھول سکے کوئی کیا زباں عیسیٰ نے اس کے نشے میں کی سیرِ آسماں
پیری میں اس کو پی کے زلیخا ہوئی جواں (۱۰۷) طوفاں تھا سخت نوحؑ نہ پاتے کبھی اماں
لیتے تھے دل سے نامِ جنابِ امیرؑ کو
پایا تھا کشتیِ مئے خمِّ غدیر کو

ساقی ہر اک کی اس کی ثنا میں زباں ہے لال میخوار اس کے نشے میں بہکے یہ ہے محال
لغزش کبھی ہو پاؤں کو چلنے میں کیا مجال (۱۰۸) ہے شیشہ و صبو سے تنفّر اسے کمال
شامل نبیؐ کا نور ہے اس کے خمیر میں
اس کی جگہ ہے قلبِ رسولِؐ کبیر میں

فرصت سوا نہیں ہے جو ساقی کروں کلام لکھنی ہے جنگِ بادشہِؑ آسماں مقام
آیا وہ پہلواں وہ بڑھے شاہِؑ تشنہ کام (۱۰۹) مارا لعین نے تیر ادھر چل گئی حسام
یوں تیغ چل گئی کہ تعجّب بڑے ہوئے
دیکھے زمیں پہ تیر کے ٹکڑے پڑے ہوئے

ترکش کو اور کمان کو پھینکا بڑھا غضب نیزہ ہلا کے سامنے آیا وہ بے ادب
مشکل کُشا کے سامنے بندھتے ہیں بند کب (۱۱۰) حضرتؑ پہ اس نے وار کیا سامنے سے جب
پہلو کی سمت بڑھ گئے گھوڑے کو موڑ کے
نیزہ لیا شقی سے کلائی مروڑ کے

مشکل کُشا کے لال پہ پھینکی جونہی کمند کھینچی جو باگ آپ نے پیچھے ہٹا سمند
پھندے گرے زمیں پہ بڑھے شاہِؑ ارجمند (۱۱۱) چھوٹا سرا تو شرم بڑھی اور بھی دو چند
شہؑ مسکرائے اس کو غمِ جاں گسل ہوا
زخمی کمال تیغ و تبسّم سے دل ہوا

جھنجھلا گیا بلند کیا گرزِ گاو سر ہٹ کر کے تیغ شہؑ نے لگائی کلائی پر
کانپا جو ہاتھ ہو گیا حیراں وہ بدگہر (۱۱۲) آیا شقی کے خود پہ وہ گرز چھوٹ کر
مغرور سے بیانِ سپاہِ دغل یہ تھا
مغموم کیوں ہے نخلِ تکبّر کا پھل یہ تھا

قربانِ عیب پوشیِ سلطانِؑ بحر و بر گویا ہوئے تھکا ہوا آیا تھا تو اِدھر
ہر وقت ایک حال میں ہوتا نہیں بشر (۱۱۳) دم لے کے لڑ صلاح اگر دے سپاہ شر
قدغن ہے جس کے واسطے وہ یہ غریب ہے
تجھ کو اگر ہو پیاس تو دریا قریب ہے

یہ سن کے اس نے وار کیا تیغ کھینچ کر اونچی ہوئی حسامِ شہنشاہِؑ بحر و بر
چوٹیں نکل رہی تھیں برابر کی الحذر (۱۱۴) رہوار یہ اُدھر تھا کبھی اور وہ اُدھر
صحرا لرز رہا تھا کہ آفت کی جنگ تھی
تھا معرکہ غضب کا قیامت کی جنگ تھی

آفت کے چل رہے تھے برابر لیٹ کے ہاتھ بڑھتے تھے شاہؑ اور وہ لگاتا تھا ہٹ کے ہاتھ
بڑھتا تھا بار بار مگر کچھ سمٹ کے ہاتھ (۱۱۵) تھا بے حیا کو خوف نہ رہ جائے کٹ کے ہاتھ
خیرہ نگاہ ہو گئی تھی بدشعار کی
آنکھوں میں بھر گئی تھی چمک ذوالفقار کی

اونچا کیا جو ہاتھ سوا بے حجاب نے خم ہو کے ایک ضرب لگائی جنابؑ نے
کاٹا لعیں کا ہاتھ شہؑ لاجواب نے (۱۱۶) دیکھا غضب سے لشکرِ اہلِ عذاب نے
پہنچی گزند اس کے دلِ دردناک پر
کٹ کر گرا جو ہاتھ مع تیغ خاک پر

دوڑے یہ دیکھتے ہی بچانے کو اہلِ شر قربان ضربِ تیغِ شہنشاہِؑ بحر و بر
بیٹھی جو فرق پر تو رُکی آ کے فرس پر (۱۱۷) دو ٹکڑے ہو گیا مع رہوار بے ہنر
چوما ظفر نے دستِ امامِؑ انام کو
تکبیر کہہ کے شاہؑ نے پونچھا حسام کو

جھپٹے یہ کہہ کے غیض میں سلطانؑ مہ جبیں جو جو بچانے آئے تھے بچنے کے وہ نہیں
چلنے لگی حسام لرزنے لگی زمیں (۱۱۸) جانے لگی عدم کی طرف فوجِ اہلِ کیں
تیغ شہِؑ انام نے محشر بپا کیا
جھنکار سے تمام بیاباں ہلا کیا

مصروف کارزار تھے سلطانؑ نامدار آئی صدائے احمدِؐ مختار ایک بار
کیا تم سے لڑ سکیں گے بھلا یہ ستم شعار (۱۱۹) دم لو ذرا کہ بھاگ گئے سارے نابکار
ہنگامِ عصر ہے دمِ راز و نیاز ہے
لڑنے کا وقت اب نہیں وقتِ نماز ہے

جلدی سے ہاتھ روک کے بولے شہِؑ ہدا فدوی سمجھ گیا جو ہے ارشاد آپؑ کا
رکھی کمر میں تیغ یہ دی شمر کو صدا (۱۲۰) جلد آ کہ وقت وعدہ وفائی کا آ گیا
کہہ دے مری طرف سے یہ افواجِ شام سے
کھینچے گا اب نہ تیغ یہ بے کس نیام سے

یہ سن کے چار سمت سے آنے لگے شریر مینھ کی طرح سے جان پیمبرؐ پہ آئے تیر
دوکانیں چھوڑ چھوڑ کے دوڑے جوان و پیر (۱۲۱) نرغے میں فوج شر کے گھرے شاہِؑ بے نظیر
تشنیعِ اشقیا سے قلق گو بڑے رہے
شہؑ سر جھکائے گھوڑے کو روکے کھڑے رہے

سر پر لگا کے تیغ ہٹا ایک بدشعار نیزوں کے دو طرف سے ہوئے پہلوؤں پہ وار
پتھر کسی طرف سے پڑے آ کے بے شمار (۱۲۲) آیا قریب گرز لگانے کوئی سوار
تھا شور ہے خیال اگر آج نام کا
سر کاٹ لو حسین علیہ السلام کا

مجروح ہو رہے تھے امامِؑ فلک وقار بے کس پہ کوئی رحم نہ کھاتا تھا زینہار
پڑتی تھیں چار سمت سے تیغیں جو بار بار (۱۲۳) گھوڑے پہ ڈگمگاتے تھے سلطانؑ نامدار
کہتے تھے ہاتھ ہاتھ میں اے ذی وقار لو
عباسؑ آ کے ہم کو فرس سے اُتار لو

جسمِ امامِؑ پاک پہ تھے بے شمار زخم اُٹھا نہ جائے شیر سے بھی ہوں جو چار زخم
شکوہ نہیں ہے کھا رہے ہیں بار بار زخم (۱۲۴) اللہ ایک سینۂ اقدس ہزار زخم
زخموں سے بار بار جو آتا ہے زین پر
قطرے ٹپک رہے ہیں لہو کے زمین پر

گرنے کو ہیں فرس سے شہنشاہِ بحر و بر آتا ہے آفتابِ امامت زمین پر
باہر رکاب سے ہیں قدم کون لے خبر (۱۲۵) پڑتے ہیں گاہ تیر کبھی گرز گہہ تبر
زخموں سے تن ہے چُور شہِ مشرقین کا
ہے پاش پاش فرقِ مبارک حسینؑ کا

سن سن کے استغاثۂ سلطانِؑ کربلا دنیا میں چار سمت عجب حشر تھا بپا
تھے محوِ خوابِ مرگ عزیز اور آشنا (۱۲۶) آتی تھی حلقِ ہائے بریدہ سے یہ صدا
مجبور گو کہ موت سے اے ذی وقار ہیں
حاضر مدد کو آپ کی ہم جاں نثار ہیں

تھی کثرتِ ملائکہ و جِن کہ الاماں حاضر ہیں ہم مدد کو یہ ہر اک کا تھا بیاں
آواز آئی عرشِ بریں سے یہ ناگہاں (۱۲۷) لبیّک اے نبیؐ و ولی کے سرورِ جاں
کہتا ہے کیوں کسی سے امانت کے واسطے
موجود خود ہوں میں تری نصرت کے واسطے

تھا خیمۂ حسینؑ میں اک حشر آشکار تھا شاہؑ کی صدا سے ہر ایک شخص بیقرار
جاتے ہیں ہم مدد کو یہ رانڈوں کی تھی پکار (۱۲۸) فضّہؑ ہر اک کو روکتی تھی بڑھ کے بار بار
روتی تھی سر کو پیٹ کے حضرتؑ کے واسطے
بچّی بھی مستعد تھی اعانت کے واسطے

راوی نے اس طرح سے لکھا ہے یہ حالِ زار لیٹے ہوئے تھے خاک پہ سلطانِؑ نامدار
اے شمر العطش یہ بیاں تھا کہ ایک بار (۱۲۹) معصوم اک ہوا درِ دولت سے آشکار
تکتا تھا گاہ فوجِ زلالت کی سمت کو
آتا تھا دوڑتا ہوا حضرتؑ کی سمت کو

ماں پیچھے پیچھے آتی تھی کہتی نہ جا نہ جا اے میرے لال مان لے کہنا پئے خدا
ایسا نہ ہو تجھے بھی کریں قتل اشقیا (۱۳۰) کہتا تھا وہ نہیں یہ محبّت کا مقتضا
بے کس کے گر دشمنِ دیں ہیں کھڑے ہوئے
بابا حسینؑ رن میں ہیں تنہا پڑے ہوئے

پیاری وہ اس کی شکل کہ دشمن کو آئے پیار تکتا تھا ایک ایک کو گھبرا کے بار بار
جاتا تھا جلد جلد سوئے فوجِ بدشعار (۱۳۱) چہرے سے شانِ حیدرؑ صفدر تھی آشکار
ملنے کا دل میں شوق پدر سے بھرا ہوا
چھوٹا سا ایک سر پہ عمامہ دھرا ہوا

پہنچا ہٹا کے صف کو جو شہؑ تک وہ ماہرو گردن میں ہاتھ ڈال دیے کی یہ گفتگو
بابّا عبث تمام زمانہ ہوا عدو (۱۳۲) کرتے سے پونچھتا تھا رُخِ شاہؑ کا لہو
کہتا تھا یاں تک آئے جو ہم سانس چڑھ گئی
بابّا ہماری تشنہ لبی اور بڑھ گئی

ناگاہ کان میں گئی جس وقت یہ صدا ہشیار غش سے ہو گئے سلطانِؑ کبریا
بچّے کی شکل دیکھ کے بولے یہ کیا یہ کیا (۱۳۳) آیا جو شہؑ کو پیار گلے سے لگا لیا
منھ بار بار اشکوں سے دھویا کیے حسینؑ
تا دیر اپنے حال پہ رویا کیے حسینؑ

بچپن ہے کچھ سمجھ نہیں ناداں ہے خورد سال حضرتؑ سے ہاتھ جوڑ کے کرتا ہے یہ سوال
دیکھیں ذرا حضورؑ کہ کیا ہو رہا ہے حال (۱۳۴) زحمت کا کیجیے نہ مری آپ کچھ خیال
دریا پہ حکم دیجیے جانے کے واسطے
لے آؤں آب خون دھلانے کے واسطے

بیٹھا تھا طفل خاک پہ نزدیکِ شاہؑ دیں نکلا پرے سے ایک جفا پیشہ و لعیں
آیا قریبِ جان و دلِ ختمؐ مرسلیں (۱۳۵) کیونکر کروں بیان مجالِ بیاں نہیں
شہؑ پر اُٹھائی تیغ تو روکا صغیر نے
بچّے کا ہاتھ کاٹ دیا اس شریر نے

گویا ہوئے شقی سے امامِؑ فلک حشم بچّوں پہ خلق میں کوئی کرتا نہیں ستم
یہ تو ہے بے قصور گنہگار ہیں تو ہم (۱۳۶) ہم کو اخیر وقت نہ دو اس طرح کے غم
دیکھیں جفا صغیر پہ یہ ناگوار ہے
جب ہم نہ ہوں جہاں میں تمھیں اختیار ہے

تھے یہ ابھی کلام امامؑ فلک مقام تھامے شقی نے بازوئے معصوم و تشنہ کام
اس سمت کھینچتا تھا لعیں اس طرف امامؑ (۱۳۷) سہما ہوا تھا خوف کے مارے وہ لالہ فام
روئے ہوا نہ ضبط شہِؑ تشنہ کام سے
آخر چھڑا لیا اسے شاہِؑ انام سے

جلدی لٹا کے خاک پہ حضرتؑ کے روبرو کاٹا ستم شعار نے معصوم کا گلو
جلتی ہوئی زمین پہ جاری ہوا لہو (۱۳۸) حسرت سے دیکھتے تھے شہنشاہِؑ نیک خو
صدمہ عجیب باپ کے دل پر گذر گیا
آخر تڑپ تڑپ کے وہ معصوم مر گیا

پلٹی سپاہ جانبِ سلطانِؑ بحر و بر آیا گہن میں حیدرِؑ کرّار کا قمر
شمرِ لعیں قریب گیا تیغ کھینچ کر (۱۳۹) سجدے میں کہہ رہے تھے یہ شبیرؑ خوش سیر

اصغرؑ وہ تھا صغیر یہ دلدار اور ہے
تحفہ یہ ایک حاضرِ دربار اور ہے

شبیرؑ محوِ شکرِ خدا تھے کہ ایک بار رکھ دی قفا پہ شمر نے شمشیرِ آبدار
کٹنے لگا گلوئے امامِؑ فلک وقار (۱۴۰) فوجِ خدا کیا نہ ستمگر نے زینہار

حیرت ہے کیوں نہ دفترِ عالم اُلٹ گیا
سوکھا گلا حسینؑ کا خنجر سے کٹ گیا

بس اے جدیدؔ بس نہ سِوا دو سخن کو طول تم آج کل ہو کثرتِ امراض سے ملول
کافی ہے ایک بند جو حضرتؑ کریں قبول (۱۴۱) حق سے کہو کہ بہرِ علیؑ اور پئے بتولؑ

صحت تواں برائے شہِؑ کائنات دے
معبود مجھ کو سب مرضوں سے نجات دے

❁❁❁❁

محمد عسکری جدیدؔ بارہ بنکی کے ایک خوش حال زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جہاں سے راقم کے والد کا بھی تعلق تھا۔ بارہ بنکی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد جدیدؔ لکھنؤ میں منتقل ہوئے اور ایک لانڈری کھول لی۔ کہتے ہیں یہ لانڈری اتنی مقبول تھی کہ محمد علی جناح اور پنڈت نہرو ان کے صارفین میں سے تھے۔ جدیدؔ صاحب کی مرثیہ نگاری کی طرف رغبت ۱۹۷۲ء میں ایک خواب بنا جس میں انھیں رسولِؐ خدا کی زیارت ہوئی، مصرعے موزوں ہونا شروع ہوئے اور شدیدؔ لکھنوی کی شعری تربیت سے مرثیہ گوئی کا آغاز ہوا۔ نیّر مسعود صاحب کے مطابق جدیدؔ صاحب نے پندرہ مرثیے کہے۔

یہ غیر مطبوعہ مرثیہ جناب اثرؔ لکھنوی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے مخطوطے سے شائع کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں ادارہ ان کے خانوادے خصوصاً جناب مکرم ارشاد کے تعاون کا شکر گزار ہے۔ (اصغر مہدی اشعر)

www.emarsiya.com
دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔ سوزخواں خواتین و حضرات کے لیے بستۂ سوزخوانی کا بھی انتظام ہے۔ اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔
faroghemarsiya@gmail.com

غیر مطبوعہ مرثیہ

میر خلیقؔ

تعدادِ بند۔۔۔۔۴۷

رضا جہاد کی جب لے کے مر گئے اکبرؑ پکارے شاہؑ یہ کیا ہم سے کر گئے اکبرؑ
ہمارے آگے جہاں سے گذر گئے اکبرؑ (۱) ہمیں بھی پاس بلا لو کدھر گئے اکبرؑ
یہ برچھی سینے پہ کھائی کہ دل سے آہ نہ کی
ضعیف باپ کی تنہائی پر نگاہ نہ کی

اکیلا چھوڑ گئے دشمنوں میں بابا کو ستمگر آن کے اب گھیر لیں گے تنہا کو
دل اپنا تھامنا مشکل ہے ابنِ زہراؑ کو (۲) تلاش کیا کروں لغزش ہے ہر قدم پا کو
زباں سے حرف بھی پورا نکل نہیں سکتا
سنبھالتا ہوں کلیجہ سنبھل نہیں سکتا

تمھارے جینے سے واللہ مجھ کو قوت تھی تمھارے دیکھنے سے چشم کو بصارت تھی
تمھارا زور تھا مجھ کو تمہیں سے طاقت تھی (۳) وگر نہ زیست کی بابا کی کون صورت تھی
بس اب جہان میں جینے کا کچھ مزا نہ رہا
تم ایک تھے سو تمھارا بھی آسرا نہ رہا

سلاح تن پہ تمھارے گراں ہے اے بیٹا وہ زور اور وہ طاقت کہاں ہے اے بیٹا
بہارِ عمر ہماری خزاں ہے اے بیٹا (۴) نہ سمجھو زندہ پدر نیم جاں ہے اے بیٹا
جو ٹھہرے تم تو سمجھ لو ٹھہر گئے ہم بھی
جو تم سدھارے تو واللہ مر گئے ہم بھی

تمھارے دم سے ہمارے بھی ہے بدن میں جاں تمھاری شان سے باقی ہے اپنا نام و نشاں
تمھارے بعد کوئی دم کے ہم بھی ہیں مہماں (۵) بشر کو موت جب آوے پدر کی زیست کہاں
جدائی بیٹے کی آفاتِ ناگہانی ہے
جو تم ہی پاس نہ ہو خاک زندگانی ہے

بتاؤ جلد پدر آئے کس طرف اکبرؑ وہ غول کونسا ہے کون سی ہے صف اکبرؑ
کدھر کے تیر اجل کے ہوئے حدف اکبرؑ (۶) پکارتا ہے علیؑ کا تمھیں خلف اکبرؑ
یہ کیا ہوا تمھیں جو تم خموش ہو بیٹا
خدا کے واسطے جلدی جواب دو بیٹا

ابھی تو آئے تھے تم جنگ کر کے باپ کے پاس ابھی تو کہتے تھے بابا بجھاؤ میری پیاس
ابھی تو کہتے تھے یا شاہؑ کیوں ہیں آپ اداس (۷) لڑائی جیت چکا ہوں نہ کیجیے وسواس
یہ کہہ کے چھوڑ کے روتا چلے گئے مجھ کو
تسلّی آن کے پھر کچھ نہ دے گئے مجھ کو

پھر آن کر مجھے سوکھی زباں نہ دکھلائی کہا نہ پھر کہ کوئی مشک نہر سے آئی
ہزار حیف نہ پانی کی بوند بھی پائی (۸) ستم کی برچھی کلیجے پہ میری جاں کھائی
تڑپتا پھرتا ہوں میں تم کدھر تڑپتے ہو
جھکے ہو گھوڑے پہ یا خاک پر تڑپتے ہو

یہ کہتے پھرتے تھے رو رو کے قتل گاہ میں شاہؑ جو گھر میں بانوؑ نے شہؑ کی صدا سنی ناگاہ
لگی یہ بیبیوں سے پوچھنے بہ نالہ و آہ (۹) یہ کس کے واسطے مضطر ہیں شاہِ عالی جاہ
پسر کے واسطے حالت نہ غیر ہو لوگو
دعا کرو علی اکبرؑ کی خیر ہو لوگو

مرے کلیجے کو ہاتھوں سے کوئی ملتا ہے سنبھالو بانوؑ کو اب دم مرا نکلتا ہے
الم سے چھاتی دھڑکتی ہے دل اچھلتا ہے (۱۰) میں رن کو جاتی ہوں ہمراہ کوئی چلتا ہے
پدر کی آنکھ سے پوشیدہ ہوگئے اکبرؑ
یقیں ہوا مجھے دنیا سے کھو گئے اکبرؑ

پکاری زینبؑ مضطر یہ کیا ہوا لوگو کدھر گئے علی اکبرؑ یہ کیا ہوا لوگو
پسر کو روتے ہیں سرورؑ یہ کیا ہوا لوگو (۱۱) ملیں گے بیٹے سے کیونکر یہ کیا ہوا لوگو
ابھی تو کہتے تھے آتا ہے مجھ کو غش بابا
پکارتے تھے ابھی تو کہ العطش بابا

ابھی تو خیمے کی ڈیوڑھی سے میں نے دیکھا تھا ابھی تو باپ سے ماں اور پھوپھی کو پوچھا تھا
ابھی تو خشک تمازت سے گل سا چہرہ تھا (۱۲) ابھی تو شاہؑ نے منھ منھ پہ اس کے رکھا تھا
ابھی تو پیاس سے اُس کی زباں میں چھالے تھے
ابھی تو باپ کی گردن میں ہاتھ ڈالے تھے

ابھی تو شاہؑ نے اس کی زبان چوسی تھی دہن میں اس کے انگوٹھی رسولؐ کی دی تھی
ابھی حسینؑ نے زلفوں کی گرد پونچھی تھی (۱۳) پسر کے حال پہ تقریر رو رو یوں کی تھی
جگر ہمارا خجالت سے کیوں نہ ہو پانی
پدر پلا نہ سکے تم طلب کرو پانی

ادھر تو غم سے یہ عصمت سرا میں تھا کہرام ادھر لعینوں سے فرماتے تھے یہ رو رو امامؑ
ہے مجھ پہ رحم کی جا اے سپاہِ کوفہ و شام (۱۴) ہوا ہے آنکھوں سے پوشیدہ میرا ماہِ تمام
بھلاؤ مت مجھے احمدؐ کا یادگار ہوں میں
ملا دو تم مجھے اکبرؑ سے بے قرار ہوں میں

تمہیں میں تھا ابھی میرا وہ یوسفِؑ ثانی وہ تشنہ تھا نہ کسی نے دیا اسے پانی
تلاش کرتا ہوں اس کو نبیؐ کا میں جانی (۱۵) امامؑ زادے کی کچھ منزلت نہ پہچانی
یہ کس کو کرتے ہیں زخمی نہ یہ قیاس کیا
شبیہِ پاکِ پیمبرؐ کا کچھ نہ پاس کیا

یہ کہتی تھیں کہ نظر آیا مرکبِ اکبرؑ کٹی تھی تیغوں سے باگ اور زبان خوں سے تر
ڈھلا تھا پشت سے زیں ٹکڑے تنگ تھا یکسر (۱۶) لگیں تھیں برچھیاں گردن پہ تیر پُٹھے پر
الم سے حالِ شہؑ دیں جو غیر ہونے لگا
قدم پہ شہؑ کی وہ گردن جھکا کے رونے لگا

لپٹ کے گھوڑے کی گردن سے شاہؑ کہنے لگے مرے پسر کو کہاں چھوڑ آیا ہے گھوڑے
وہ گھوڑا روتا ہوا شہؑ کے ہوگیا آگے (۱۷) امامؑ پیٹتے سر گھوڑے کو چلے پیچھے
قدم جو ضعف سے سرورؑ کا ڈگمگاتا تھا
وہ گھوڑا دیکھ کے منھ شہؑ کا روتا جاتا تھا

کسی کو آنے نہ دیتا تھا گرد سرورؑ کے سوار بھاگتے پھرتے تھے ہر طرف ڈر کے
سرہانے پہنچے جو ہم صورتِ پیمبرؐ کے (۱۸) لہو میں کپڑے بھرے دیکھے شہؑ نے اکبرؑ کے
کلیجہ شق ہوا آنکھوں سے اشک ڈھلنے لگے
لپٹ کے خوں بھرے منھ سے منھ اپنا ملنے لگے

تمام تیغوں سے دیکھا جو ٹکڑے سارا بدن پکارنے لگے رو رو کے تب امامِؑ زمن
تجھے بھی قتل کیا ہائے میرے غنچہ دہن (۱۹) لگی ہیں برچھیاں سینے پہ تیرے تا گردن
مگر جگر یہ کچھ ایسا ہی زخم کاری ہے
لہو جو یاں سے علی الاتصال جاری ہے

یہ کہہ کے رو رو کے اس لاش پر گرے شبیرؑ ہجومِ گریہ سے حالت ہوئی بہت تغییر
پسر کے غم میں گریباں قبا کا ڈالا چیر (۲۰) بیان یہ کرتا تھا فرزندِ شاہِؑ خیبر گیر
خدا نہ دے انھیں راحت جہانِ فانی میں
جنھوں نے قتل کیا تجھ کو اس جوانی میں

تمھارے بعد تو اکبرؑ عبث ہے اب جینا کسے دکھاؤں ہے داغوں سے بھر گیا سینہ
ستمگروں نے کیا بے گناہ سے کینہ (۲۱) حرام پانی ہے تم بن جہان میں پینا
وہ اُٹھ سکیں بھی ہوئے ہیں جو کچھ ستم ہم پر
جہاں کے ٹوٹ پڑے اب غم و الم ہم پر

صدا یہ سنتے ہی اکبرؑ کے آیا دم میں دم پدر کی شکل کو دیکھا بدیدۂ پُر نم
کہا کہ شکر ہے آپ آئے یا امامِؑ امم (۲۲) ہماری آپ سے رخصت ہے اب تمام ہیں ہم
گلے لگائے ہیں دادی بتولؑ شفقت سے
محمدؐ آئے ہیں لینے کو مجھ کو جنّت سے

لیے ہیں ہاتھوں میں دو جامِ بادۂ کوثر یہ مجھ کو دیکھ کے فرماتے ہیں بدیدۂ تر
کہ ایک جام کو کر نوش اے علی اکبرؑ (۲۳) میں عرض کرتا ہوں بندہ بہت ہے تشنہ جگر
زبان ہے سوکھی ہوئی کل کی شام سے میری
بجھے گی پیاس نہ اس ایک جام سے میری

یہ دونوں جام عنایت ہوں تو بجھے مری پیاس وہ مجھ سے کہتے ہیں اس طرح رو کے با صد یاس
میں کس طرح تجھے دوں اے پدر کے رتبہ شناس (۲۴) گلا کٹا کے اب آتا ہے وہ ابھی میرے پاس
عطش سے ہونٹوں پہ دم ہے مرے نواسے کا
یہ جام دوسرا حصّہ ہے اُس پیاسے کا

یہ سن کے بیٹے کی تقریر روئے سرورؑ دیں سدھارے اکبرؑ مظلوم سوئے خلدِ بریں
اُٹھا کے لاش کو اکبرؑ کی بادلِ غم گیں (۲۵) سر اپنا پیٹتے لے آئے خیمہ گہ کے قریں
نظر جو آئے حرم بیچ ڈیوڑھی پر گھر کی
زمین پہ بیٹھ گئے رکھ کے لاش اکبرؑ کی

پکارنے لگے اکبرؑ پدر سے بات کرو سدھارے خلد کو بیٹا ہمیں جواب تو دو
یہ کیا ہے باپ تو سر پیٹے اور تم سوؤ (۲۶) تمھاری ماں سے تمھیں اب کہاں چھپاؤں کہو
تمھاری ماں کی غرض مفت جان جاتی ہے
نکل کے خیمے سے سر پیٹنے وہ آتی ہے

سنا جو ڈیوڑھی سے بانوؑ نے شاہؑ روتے ہیں پسر کی لاش پہ منھ آنسوؤں سے دھوتے ہیں
لگا کے آنکھوں سے گیسو نثار ہوتے ہیں (۲۷) خموش خوں میں تر اکبرؑ زمیں پہ سوتے ہیں
لہو سے تن کے ہر ایک زخم کو تراوش ہے
نہ ہاتھ کو حرکت ہے نہ پا کو جنبش ہے

پسر کی شکل جو ماں نے یہ دور سے دیکھی پکاری لوگو چلو کوکھ لٹ گئی میری
یہ سن کے سینہ ہر ایک بی بی پیٹتی نکلی (۲۸) حرم کو دیکھ کے رو رو یہ شہؑ نے بات کہی
حسینؑ کس کو پکارے گئے علی اکبرؑ
ہمارے سامنے مارے گئے علی اکبرؑ

پکاری بانوؑ کہ ہے ہے مرے جواں بیٹا یہ کیا غضب ہوا برچھی لگی کہاں بیٹا
تمھاری پیاس پہ قربان میری جاں بیٹا (۲۹) لبوں پہ نکلی ہے سوکھی ہوئی زباں بیٹا
ڈوبا کے خوں میں تمھیں نادم اہلِ شر نہ ہوئے
پیاسے مر گئے پانی سے ہونٹ تر نہ ہوئے

کسی نے رحم بھی کھایا نہ اس جوانی پر لگائے اس تنِ نازک پہ نیزہ و خنجر
کوئی نہ سمجھا تمھیں ہم شبیہ پیغمبرؐ (۳۰) تمھارے غم میں نہ ہرگز جیے گی یہ مادر
میں جانتی تھی کہ لڑ بھڑ کے گھر کو آ پہنچے
خبر نہ تھی یہ کہ دادی کے پاس جا پہنچے

اُجاڑ کر گئے مادر کے گھر کو اے واری سفر میں کی سفرِ آخرت کی تیاری
زمین پہ چاند سی چھاتی سے ہے لہو جاری (۳۱) ستم کے نیزوں سے غربال ہے قبا ساری
اجل کو حیف ہے آیا نہ کچھ ترس تم پر
کٹا نہ خیر سے اٹھارواں برس تم پر

یہ بانوؑ کہتی تھی جو زینبؑ آئی گریہ کناں پکاری لاش پہ گر کر کے اے پھوپھی کی جاں
تمھارے خوں بھرے مکھڑے کے میں ہوئی قرباں (۳۲) یہ گیسو گوندھے ہوئے خاک و خوں میں ہیں غلطاں
یہ تم سے کیا کیا اعدا نے میں نے کیا دیکھا
پھوپھی نہ مر گئی ہے ہے تمھیں موا دیکھا

مرے برادرِ بے کس کے نوجواں فرزند نبیؐ و حیدرؑ و زہراؑ کے دلربا دلبند
مسیں یہ خون میں بھیگیں یہ آنکھیں ہوگئیں بند (۳۳) پدر کو چھوڑ دیا خوابِ مرگ آیا پسند
نبیؐ کی جبکہ زیارت کو لوگ آویں گے
ہزار حیف کہ جیتا تمھیں نہ پاویں گے

جنھیں کلامِ محمدؐ کا ہوگا شوق زیاد کمال آئیں گی ان کو تمھاری باتیں یاد
نہ روؤں لاش پہ کس طرح با دلِ ناشاد (۳۴) پھوپھی کی ماں کی کمائی کو کر گئے برباد
تمھارے واسطے کبراؑ کی جان جاتی ہے
بلک بلک کے سکینہؑ کی جان جاتی ہے

یہ کہہ کے سینہ و سر پیٹتے تھے اہلِ حرم بہ سوئے قبلہ کھڑے کہتے تھے امامِ امم
کریم تو ہے مرے حالِ دل سے بھی محرم (۳۵) سپاہ شام نے کیا کیا کیے ہیں مجھ پہ ستم
ترے رسولؐ کی صورت جو تھا پسر میرا
اُسے بھی مارا کیا بے چراغ گھر میرا

یہ کہہ کے بی بیوں سے شاہؑ نے کہا رو کر تمھارے رونے سے جینے کا اب نہیں اکبرؑ
کہاں تم اور کہاں ہم شبیہ پیغمبرؐ (۳۶) تم اپنے خیمے میں جاؤ گئے یہ دادی کے گھر
بچھونا چھوڑ کے کیوں فرشِ خاک پر رہتے
تمھارے ہوتے جو اکبرؑ تمھارے گھر رہتے

یہ سن کے بانوؑ نے قدموں پہ شہؑ کے گر کے کہا مجھے نہ کہیے میں گھر میں نہ جاؤں گی شاہا
کبھی رہا نہیں مجھ سے جدا میرا بیٹا (۳۷) میں اس کی لاش کو چھوڑوں گی کس طرح تنہا
بتاؤ جان مری کس طرح بدن میں رہے
رہوں میں خیمے میں اور لال میرا رن میں رہے

زمین پہ کاہے کو سوتا تھا میرا لال کبھی اکیلی لاش نہ چھوڑوں گی اپنے پیارے کی
یہ سن سکینہؑ بھی اکبرؑ کی لاش سے لپٹی (۳۸) بلائیں تتّھے سے ہاتھوں سے لے کے یوں بولی
یہیں رہوں گی برادر کو چھوڑنے کی نہیں
اکیلا میں یہاں اکبرؑ کو چھوڑنے کی نہیں

کروں گی لاش کی بھیّا کی میں نگہبانی کہاں ملے گا مجھے پھر یہ یوسفِ ثانی
ہزار حیف کہ پایا نہ بوند بھر پانی (۳۹) مسافروں کی یہی چاہیئے تھی مہمانی
جواب دیں گے لعیں کیا نبیؐ کے جانی کو
کیا ہے قتل جو میرے جوان بھائی کو

بیاں سکینہؑ کے سن کر امامؑ رونے لگے حرم بھی پیٹ کے سر کو تمام رونے لگے
سبھی جو لے لے کے اکبرؑ کا نام رونے لگے (۴۰) کلیجے آب ہوئے اہلِ شام رونے لگے
حرم کو لے گئے خیمے میں شاہؑ سمجھا کر
زمیں پہ غش ہوئی بانوؑ پچھاڑیں کھا کھا کر

کبھی گلے سے لگاتے تھے شاہؑ زینبؑ کو کبھی تھے پونچھتے آنسو سکینہؑ کے رو رو
کبھی یہ کہتے تھے کبراؑ سے پیٹتی کیا ہو (۴۱) اُٹھاؤ خاک سے ماں کو ذرا دلاسا دو

جو مر گیا کوئی رونے سے ہاتھ آتا ہے
حسینؑ بھی کوئی دم میں گلا کٹاتا ہے

یہ کہتے تھے مگر آنکھوں سے اشک تھے جاری پسر کے غم کا کلیجے پہ زخم تھا کاری
خیال چھوٹے جو بچے کا آیا اک باری (۴۲) اسے بھی لے چلے رن کو بگریہ و زاری

خلیقؔ اس کو کہے کیا کہ اک قیامت ہے
اب آگے اصغرؑ معصوم کی شہادت ہے

❁❁❁❁

سلام

پروین حیدر

خلد میں شیخ تیرے جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی
سچ تو بولو فدک کے باب میں تم شرم تم کو مگر نہیں آتی
سن لو پارہ چنار کی آواز میری آواز گر نہیں آتی
سونے دیتی نہیں تمہیں اک آہ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
کربلا تم بیاں نہیں کرتے ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
جانتے ہیں گلی ثقیفے کی پر طبیعت ادھر نہیں آتی
میرے خیمے جلا کے بھی تم کو بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
جاں کنی کے عذاب جھیلتے ہو موت آتی ہے پر نہیں آتی
ہم ارم کے مکین ہیں تم کو کچھ ہماری خبر نہیں آتی
جانتی ھوں تمہاری بخشش کی کوئی امید بر نہیں آتی

❁❁❁❁

غیر مطبوعہ مرثیہ

جعفر علی فصیحؔ

تعدادِ بند۔۔۔۴۹

فاطمہ صغراؑ باپ کے غم میں رو رو جل تھل بھرتی ہے لگتی ہے ہچکی روتی ہے پہروں ماں کو یاد جو کرتی ہے
کہتی ہے رو رو امّاں جانی صغراؑ تم بن مرتی ہے (۱) گھر سُونا کاٹے کھاتا ہے رات کو دُکھیا ڈرتی ہے
یاں کیوں امّاں پھینک گئیں تم صغراؑ دُکھ کی ماری کو
گود میں لے کر گھر سے سدھاریں اپنی سکینہؑ پیاری کو

ہے ہے اتنا دھیان نہ آیا صغراؑ میری رو دے گی ننّھا سا دل اس کا کڑھتا تو تپ کی شدّت ہووے گی
سوتی تھی مجھ پاس ہمیشہ کس کے ساتھ اب سووے گی (۲) مجھ سے گر بچھڑے گی صغراؑ تڑپے گی جی کھووے گی
ایک دم اُس کے پاس نہ ہوں تو امّاں امّاں کرتی ہے
کیونکر چھوڑوں پالی پوسی بیٹی میری مرتی ہے

امّاں تم کو رحم نہ آیا صغراؑ غم کی ماری پر امّاں تم کو پیار نہ آیا اس بیٹی دکھیاری پر
امّاں تم نے کی نہ نظر دکھیا کے دکھ بیماری پر (۳) ہائے تمھارا دل نہ کڑھا صغراؑ کی منّت و زاری پر
چھوڑ گئیں اس بیٹی کو جو دکھیا تپ سے مرتی تھی
روزِ سفر کو پاؤں پہ گر گر کیا کیا منّت کرتی تھی

کہتی تھی لے لے کے بلائیں امّاں بانوؑ میں قرباں بیٹی مت سمجھو تم مجھ کو لونڈی جانو میں قرباں
چھوڑ نہ جاؤ مر جاؤں گی کہنا مانو میں قرباں (۴) مجھ سے ہے جدائی امّاں جانی دل میں نہ ٹھانو میں قرباں
کپڑے تکیے فرش اُٹھا کر میرا لا دو محمل میں
فضّہؑ کے ہمراہ مجھے بھی آج بٹھا دو محمل میں

تم نے نہ مانا آپ سدھاریں مجھ دکھیاری کو چھوڑا بات نہ پوچھی منھ نہ لگایا ننّھا سا یہ دل توڑا
پاؤں پڑی منّت بھی کی کتنا ہی ہاتھوں کو جوڑا (۵) کھائیں پچھاڑیں خاک کے اوپر روتے پیٹتے سر پھوڑا
تم یہ سمجھیں امّاں تم سے صغراؑ کو کم الفت ہے
تم یہ ہمیشہ کہتی تھیں یہ بیٹی کو کم الفت ہے

اب جو سفر سے پھر کر امّاں اپنے گھر کو آؤ گی کیسی لہریں آویں گی جب مجھ کو نہ جیتا پاؤ گی
قبر پہ مجھ کم الفت کے سر رو رو کر ٹکراؤ گی (۶) تب سمجھو گی الفت میری آنسو بھر بھر لاؤ گی
بین کرو گی بے کس تنہا دکھیا غم کی ماری تھی
کیسی الفت والی ہے ہے میری صغرؑا پیاری تھی

امّاں جانی تم بن مجھ کو ایک گھڑی بھی چین نہیں تم کو کیونکر چین آیا جو تنہا مجھ کو چھوڑ گئیں
امّاں کیا تقصیر تمھاری مٹتی ہے تقدیر کہیں (۷) لکّھی تھی قسمت میں جدائی بچھڑی تم سے میں غمگیں
میری قسمت میں رونا تھا کڑھنا تھا غم کھانا تھا
تھا تقدیر میں میری جدائی تپ چڑھنے کا بہانا تھا

بخت برے تھے طالع بد تھی قسمت میں تھی تنہائی ہنستی کھیلتی پھرتی تھی میں وقتِ سفر کہ تپ آئی
کھائیں دوائیں باندھیں دعائیں پر نہ شفا ہرگز پائی (۸) چھوڑ گئے آخر گھر میں بابا امّاں بہنیں بھائی
کوچ کے دن منھ دیکھ کے میرا دونوں بہنیں روتی تھیں
کیسے گلے مل مل کے ہے ہے مجھ سے رخصت ہوتی تھیں

ہے ہے کیسی یاد آتی ہیں دونوں بہنیں رات اور دن تھی نہ توقّع جیتی رہوں گی اتنے دنوں میں اُن کے بن
کیسا کیسا دم گھٹتا ہے موت نہیں آتی لیکن (۹) مجھ کو یقیں ہے مرجاؤں گی زیست نہیں ان بن ممکن
جان نہایت سخت ہے میری کیا کیا صدمے سہتی ہے
حیرت ہے اس رنج وقلق میں کیونکر تن میں رہتی ہے

چپکے لیٹے لیٹے میرا دم گھبرانے لگتا ہے مرنے کا جب دھیان آتا ہے رونا آنے لگتا ہے
لرزے سے جب تپ چڑھتی ہے دل تھرّانے لگتا ہے (۱۰) کھانا جب آتا ہے آگے جی متلانے لگتا ہے
آگ بھڑکتی ہے سینے میں پانی ہر دم پیتی ہوں
کھانا بالکل چھوٹ گیا ہے پانی پی پی جیتی ہوں

جب مسجد میں اذاں ہوتی ہے بابا بابا کہتی ہوں نام سنا جب اکبرؑ کا تو بھیّا بھیّا کہتی ہوں
کبرؑا کا جب دھیان آتا ہے آپا آپا کہتی ہوں (۱۱) یادِ سکینہؑ جب آتی ہے بہنا بہنا کہتی ہوں
خواب میں جب اصغرؑ کو دیکھا جاگ کے سر ٹکراتی ہوں
ہے ہے بیرن ہے ہے بھیّا کہہ کر غش ہوجاتی ہوں

ننھے بچّے ہمسایوں کے راتوں کو جب روتے ہیں یاد آتے ہیں اصغرؑ کیسے ٹکڑے دل کے ہوتے ہیں
کہتی ہوں کہانیِ اصغرؑ روتے ہیں یا سوتے ہیں (۱۲) کس منزل میں کس جنگل میں حیدرؑ کے وہ پوتے ہیں
اُس دم گرتی پڑتی اُٹھ کر جھولے تک میں جاتی ہوں
ننھے ننھے تکیے اُٹھا کر چھاتی سے لپٹاتی ہوں

روتی ہوں آنکھوں پر رکھ کر ننّھے ننّھے تکیوں کو آتی ہے اُن تکیوں سے جب دودھ کی میٹھی میٹھی بُو
غم سے جگر لگتا ہے پھٹنے بھرتی ہوں جل تھل رو رو (۱۳) تکتی ہوں دیوانی سی قربان تمھارے اے تکیو
تم میں ساری خوشبو ہے اصغرؑ کی سر کے بالوں کی
لمبی لمبی زلفوں کی اور گورے گورے گالوں کی

خالی جھولی میں نہ رکھوں گی تم کو اُٹھا لے جاؤں گی عطر گلاب ملوں گی تم کو پھر پھولوں میں بساؤں گی
اصغرؑ کی جا گود میں لے کر اپنے ساتھ سلاؤں گی (۱۴) پیار کرونگی صدقے ہونگی چھاتی سے لپٹاؤں گی
یاد آوے گا جب ماں جایا لے کر تم کو سونگھوں گی
کچھ تو تسلی ہوگی دل کو جب اُس کی بُو سونگھو گی

یارب جلدی لا کے ملا مجھ سے اُس تکیوں والے کو اے قادر پھر گھر میں لا اُس بچّے بھولے بھالے کو
اے حافظ آفت سے بچانا اُس نازوں کے پالی کو (۱۵) آنکھیں میری روشن کر دکھلا اس گھر کے اجالے کو
پھر اس جھولے میں وہ جھولے سوئے پھر ان تکیوں پر
پھر دیکھوں ان آنکھوں سے اصغرؑ کا سر ان تکیوں پر

گھٹنیوں اب تو چلتا ہوگا اصغرؑ میرا بیرن جان دانت بھی نکلے ہونگے اُس کے دانتوں کے بھینا قربان
نامِ خدا کیا لال تھے وہ لب جیسے کھایا ہوئے پان (۱۶) کیسا مجھ کو دیکھ لے میرا بیرن ہنستا ہر ہر آن
جس دن کُوچ ہوا بابا کا مجھ سے لپٹا جاتا تھا
دیکھ کے مجھ کو آنکھ میں آنسو کیسے بھر لاتا تھا

یاں روتی تھی گھر میں صغرؑا کرتی تھی یہ غم کے بین واں کوفے میں بھوکے پیاسے قتل ہوئے سب میداں حسینؑ
کام آئے سب یار اور یاور بھائی بیٹے نور العین (۱۷) شام گئے بندی ہو کر سب اہلِ حرم روتے بے چین
قید سے جب ظالم کی چھوٹے روتے آئے مدینے کو
کرتے ماتم سبطِ نبیؐ کا پیٹتے سر اور سینے کو

شہر کے باہر آکر اُترے کالے خیمے تھے برپا شام سے آئی آلِ پیمبرؐ یثرب میں یہ شور مچا
اُمِّ بنینؑ عباسؑ کی مادر غل یہ سن کر سمجھی کیا (۱۸) سبطِ پیغمبرؐ آئے سلامت لشکر آیا سرورؑ کا
چادر اُوڑھے گھر سے نکلی ہنستی آئی اصغرؑ پاس
بولی لشکر آیا بی بی جلدی اُٹھ چل بابا پاس

اوڑھ کے چادر ساتھ ہو میرے سبطِ پیمبرؐ آ پہنچا خیمے کھڑے ہیں شہر کے در پر شاہؑ کا لشکر آ پہنچا
عابدؑ آیا اصغرؑ آیا صغرؑا اکبرؑ آ پہنچا (۱۹) تیرا عم عباسِؑ دلاور میرا دلبر آ پہنچا
بانوؑ آئی زینبؑ آئی تیری بہنیں آئی ہیں
تیری خاطر کوفے سے سوغاتیں تحفے لائی ہیں

دیر نہ کر ہو جلد روانہ باباؑ کا کر استقبال ماں بہنوں سے چل کر مل اکبرؑ اصغرؑ کا دیکھ جمال
شہؑ پہ تصدّق کرنے کو لے چل گھر میں جو ہو کچھ زر اور مال (۲۰) جو یا گندم جو ہاتھ آوے بھر لے غلّے سے رومال
ماں بہنوں پر کر کے تصدّق دیجو وہاں مسکینوں کو
شکر ہے اُس خالق کا جس نے شاد کیا غمگینوں کو

سن کر یہ مژدہ دادی سے شاد ہوئی صغراؑ ناداں کہتی تھی میں صدقے تمھارے منھ کے میری دادی جاں
تم نے خوشی دی تم نے نوازا تم نے کیا مجھ پر احساں (۲۱) تم آئیں لینے کو میرے اس آنے کے میں قرباں
جب تک میں جیتی ہوں تمھارا یہ احسان نہ بھولوں گی
ساری عمر اس دم کی عنایت دادی جان نہ بھولوں گی

پوچھا پھر یوں نانی سے کیوں نانی تم بھی چلتی ہو پھر بولی میں جاتی ہوں تم نانی گھر میں جھاڑو دو
فرش بچھاؤ گھر کو سنوارو مہمانی کی فکر کرو (۲۲) تم کھانے پکوا رکھّو میں لاتی ہوں جاکر باباؑ کو
برقع چادر موزے لا دو جاتی ہوں میں لشکر میں
اب میں اپنی ماں بہنوں کے ساتھ آؤں گی کل گھر میں

نانی نے اُس وقت کہا کپڑے میلے ہیں اے صغراؑ حال پریشاں ہے تیرا سر دھو منھ دھو مَل مَل کے نہا
سر گندھوا کر سرمہ لگا کر عید کا اپنا جوڑا لا (۲۳) کپڑے پہن کر عطر لگا کر پھر باباؑ سے ملنے جا
میلے کپڑے دیکھ کے تیرے باباؑ تیرا روئے گا
سر اُلجھا یہ دیکھ کے ماں کا ٹکڑے کلیجا ہووے گا

صغراؑ بولی نانی صاحب دیر لگے گی جانے دو حال اپنا یہ مجھ کو میرے باباؑ کو دکھلانے دو
سب کو سلامت خیر خوشی سے گھر میں پہلے آنے دو (۲۴) مدّت بعد پھرے ہیں مسافر سب کو جیتا پانے دو
سب کو سلامت جب دیکھوں گی تب میں عید مناؤں گی
کپڑے گہنے پہنوں گی سر گندھواؤں گی نہاؤں گی

میں نے سنا ہے آہ سفر میں بھائی عابدؑ تھے بیمار اُن کو جیتا لاوے خدا ہے دھڑکا دل کو لیل و نہار
اتنے دنوں کے بعد پھرے ہیں باپ اور بھائی خویش و یار (۲۵) کون آیا اور کون نہ آیا یہ معلوم نہیں اخبار
دھڑکے دل کے سب مٹ جاویں اُس دم دل کو شادی ہو
اصغرؑ ہنستے کھیلتے آویں تب گھر کی آبادی ہو

روکو مت مجھ حال پریشاں کو اے نانی میں صدقے ہے اس وقت عزیزوں کے دیدار کا ایسا شوق مجھے
چاہتا ہے جی پر لگ جاویں اُڑ کر جا پہنچوں جلدی سے (۲۶) شکر ہے اُس خالق کا مجھ کو یہ دن دکھلایا ہے جس نے
دیکھوں گی زنگاری خیمے دور سے باباؑ صاحب کے
آنکھیں میری روشن ہونگی نور سے باباؑ صاحب کے

پوچھو کسی سے نانی صاحب حال تو میرے باباؑ کا خط بابا کے ہاتھ کا لکّھا بلکہ کوئی لایا ہوگا
پوچھو اُن سے کون ہو تم کیوں آئے یہاں کس نے بھیجا (۲۷) اس لشکر کا کون ہے سرورؑ خیمہ برپا ہے کس کا
لشکر سے کیوں دور کھڑا ہے کیا یہ زنانہ خیمہ ہے
آگ سے جل کر چھید پڑے ہیں یا یہ پُرانا خیمہ ہے

جب عباسؑ چچا کو دیکھا اُن سے کہوں گی رو رو کر واہ چچا صغراؑ کی تم نے بات نہ پوچھی لی نہ خبر
وعدہ کر کے بھول گئے کیوں آئے نہ اپنے وعدے پر (۲۸) تم کو سکینہؑ پیاری ہے صغراؑ یہ نہیں الفت کی نظر
آج کے دن تو شکوے کر کے آگے تمھارے رو لے گی
روٹھتی ہے پھر صغراؑ تم سے ساری عمر نہ بولے گی

نانی سے یہ باتیں کر کے گھر سے نکلی دکھیاری شہر کے باہر جس دم آئی سبطِ پیمبرؐ کی پیاری
کالا خیمہ برپا دیکھا میداں میں جو یکباری (۲۹) بولی نانی خیمہ میرے باباؑ کا تھا زنگاری
نے یہ لشکر شہؑ کا ہے نے سبطِ نبیؐ کا خیمہ ہے
اور کسی کا لشکر ہے یہ اور کسی کا خیمہ ہے

فوج نہیں یہ باباؑ کی نانی یہ شام کا لشکر ہے باباؑ کے اصحاب کہاں یہ اور کسی کا لشکر ہے
دیکھ کے ان لوگوں کی صورت مجھ کو تو ڈر لگتا ہے (۳۰) دیکھو بال ہیں بھورے بھورے کالی ٹوپی کرتہ ہے
اونٹ بھی اُن کے شامی ہیں محمل ہودج سب شامی ہیں
تازی گھوڑے شہؑ کے کہاں دیکھو یہ مرکبِ شامی ہیں

کالا جھنڈا دیکھ کے ان کا دل ڈر سے تھرّاتا ہے سبز علم باباؑ کا کہاں ہے مجھ کو رونا آتا ہے
نانی مجھ کو ہول آتے ہیں جی کچھ ڈوبتا جاتا ہے (۳۱) اپنا ان میں کوئی نہیں ہے میرا دم گھبراتا ہے
لیکن کچھ اسرار عجب ہے حیرت مجھ کو آتی ہے
جب جھونکا آتا ہے ہوا کا باباؑ کی بُو آتی ہے

اس کے در پر نوکر چاکر درباں ناظر کوئی نہیں چوکی پہرہ بندہ خادم سقّہ شاطر کوئی نہیں
سب رہتے اندر بیٹھے باہر ظاہر کوئی نہیں (۳۲) یا غائب ہیں اس کے ساکن ان میں حاضر کوئی نہیں
یا قیدی ہیں اس کے اندر جن کو نکلنا مشکل ہے
پاؤں میں پہنے ہیں زنجیریں پھرنا چلنا مشکل ہے

اُمِّ بنیں باتیں یہ سن کر آگے بڑھی روتی دلگیر اک شامی کے پاس گئی یہ کرنے لگی اُس سے تقریر
کون ہو تم آئے ہو کہاں سے اور ہے تمھارا کون امیر (۳۳) وہ بولا سرور ہے اس لشکر کا وہ نعمانِ ابنِ بشیر
شام سے ہم سب نکلے ہیں کوفے میں ہوتے آئے ہیں
آلِ پیمبرؐ کو پہچانے یاں تک روتے آئے ہیں

یہ خیمہ ہے آلِ نبیؐ کا سب سے دور جو ہے برپا اُمِّ بنینؑ نے جب یہ سنا صغراؑ کو پکارا بی بی آ
کالا خیمہ یہ جو کھڑا ہے ہے یہ تیرے باباؑ کا (۳۴) سن کر یہ نانی کا سخن روتی آئی اُس جا صغراؑ
دیکھ اُداسی در پر بولی کیسی غربت چھائی ہے
باباؑ صاحب تم سے ملنے صغراؑ دکھیا آئی ہے

رونے کی آواز گئی خیمے میں تب بولی بانوؑ صغراؑ کے رونے کی صدا باہر سے آتی ہے لوگو
تب دروازے پر خیمے کے بھیجا سب نے فضہؑ کو (۳۵) فضّہؑ نے در پر سے دیکھا پھر جاکر یہ کہا رو رو
اک بی بی اور اک لڑکی دبلی سی روتی آئی ہے
کیا جانے یہ کون ہے بی بی لڑکی کس کی جائی ہے

زینبؑ نے تب فرمایا پہچان تو جاکر اُن کو تو کون ہیں دونوں کیوں آئی ہیں ڈھونڈھتی آتی ہیں کس کو
نام بھی پوچھ اُن دونوں کے کچھ حال اُن کا معلوم تو ہو (۳۶) اُن کی گداؤں کی صورت ہے یا ہے نجیبوں کی خو بو
فضہؑ بولی چادر اوڑھے دونوں ہیں کیا جانوں میں
منھ پر ان کے برقع ہے منھ کھولیں تو پہچانوں میں

زینبؑ دروازے پر آئی سن کر فضہؑ سے یہ کلام دیکھ کر اُن کو پوچھا بی بی کون ہو تم بتلاؤ نام
کیوں آئی ہو کیا مطلب ہے کچھ ہم سے تم کو ہے کام (۳۷) یہ لڑکی بیٹی ہے تمھاری کس کی خاطر ہے ناکام
ایسی دبلی لاغر کیوں ہے کچھ اس کو بیماری ہے
باباؑ اس کا جیتا ہے یا بے کس غم کی ماری ہے

اُمِّ بنینؑ کا دل بھر آیا سن کر زینبؑ کی تقریر زینبؑ کو پہچانتی کیونکر حالت تھی اُس کی تغییر
کالے کپڑے پہنے بر میں در پہ کھڑی تھی بنتِ امیرؑ (۳۸) بولی پہلے تم بتلاؤ کون ہو تم اے با توقیر
چاندسی صورت خاک میں کیوں آلودہ ہے کیا عالم ہے
کالے کپڑے کیوں پہنے ہو ہے یہ کس کا ماتم ہے

زینبؑ رو رو کہنے لگی مت حال ہمارا پوچھو آہ اپنے حال سے تم اے بی بی جلد کرو ہم کو آگاہ
اُمِّ بنینؑ رو رو کے پکاری تھا جو محمدؐ دین کا شاہؑ (۳۹) اُس کا بھائی اُس کا وارث تھا جو حیدرؑ شیرِ اِلٰہ
میں تو اس کی لونڈی ہوں یہ لڑکی اُس کی پوتی ہے
باپؑ اس کا کوفے کو گیا ہے باپؑ کے غم میں روتی ہے

نام ہے اس لڑکی کا صغراؑ باپ کا اس کے نام حسینؑ فاطمہؑ زہرا اس کی دادی دادا شاہِؑ بدر و حنین
دکھیا ہے آزاری ہے اور باپ کے غم سے ہے بے چین (۴۰) زینبؑ کی یہ بھتیجی ہے اور بانوؑ کی ہے نور العین
اکبرؑ اس کا بڑا بھائی ہے اصغرؑ ننّھا بھائی ہے
اُن کی خبر آنے کی سنی ہے ڈھونڈھتی یاں تک آئی ہے

زینبؑ روئی تب چلّا کر بانوؑ صغراؑ آ پہنچی ڈھونڈھتی اپنے باباؑ کو وہ پیٹتی دکھیا آ پہنچی
شاہؑ کا منھ دکھلا دو لوگو باپ کی شیدا آ پہنچی (۴۱) شہر کے باہر گرتی پڑتی دینے پُرسا آ پہنچی

ماتم دارو فاطمہ صغراؑ آئی ہے اب خیمے میں
کوٹو سینے پیٹو چھاتی ڈھانکو منھ سب خیمے میں

کہہ کر یہ خیمے کے باہر نکلی زینبؑ ننگے سر صغراؑ کو چھاتی سے لگایا برقع کھولا رو رو کر
دیکھ کر اُس کی شکل کو ماں نے کھائیں پچھاڑیں مٹی پر (۴۲) چُوما مکھڑا لے لی بلائیں روئی سرورؑ کی خواہر

ہائے حسینؑا فاطمہ صغراؑ تم کو ڈھونڈھتی آئی ہے
ہے ہے بھیّا پیٹتی دکھیا تم کو ڈھونڈھتی آئی ہے

ہے ہے سیّدؑ ہے ہے سرورؑ منھ دکھلاؤ صغراؑ کو ہے ہے بیرن اپنے گلے سے آ کے لگاؤ صغراؑ کو
ملنے آؤ بھیّا صدقے اب نہ کڑھاؤ صغراؑ کو (۴۳) ہے ہے بھیّا گود میں اپنے جلد اُٹھاؤ صغراؑ کو

برقع باندھے چادر اوڑھے تم کو پوچھتی پھرتی ہے
ہے ہے صغراؑ نا طاقت ہے غش کھا کھا گر پڑتی ہے

گودی میں صغراؑ کو لیے پھر گھر میں آئی وہ مغموم کبراؑ لپٹی بانوؑ دوڑی پیٹتی سر آئی کلثومؑ
ہے ہے باباؑ ہے ہے باباؑ کہتی ہے صغراؑ مغموم (۴۴) سینہ زنی تھی آلِ نبیؐ میں ماتم کی برپا تھی دھوم

غش پر غش آتے تھے اُس کو منھ ہر اک کا تکتی تھی
ماں بہنوں کے گلے لگ لگ کر چلّاتی تھی بلکتی تھی

پوچھتی تھی اے اماں میرے باباؑ کیونکر قتل ہوئے کہتی تھی بانوؑ بھوکے پیاسے ہے ہے سرورؑ قتل ہوئے
چھاتی پر اک نیزہ کھایا رن میں اکبرؑ قتل ہوئے (۴۵) تیر لگا گردن پر کاری ننّھے اصغرؑ قتل ہوئے

قاسمؑ دولھا بھوکا پیاسا سہرا باندھے لڑتا تھا
مقتل میں داماد پہ میرے تیروں کا مینھ برسا تھا

عونؑ و محمدؑ قتل ہوئے بھائی تیری زینبؑ کے لال ذبح ہوئے مسلمؑ کے پیارے قتل ہوئی حیدرؑ کی آل
قیدی ہوکر شام گئے ہم منھ پر ڈالے سر کے بال (۴۶) میری سکینہؑ پیاری کا گھبرا کے ہوا زنداں میں وصال

اک بیٹی دو لال سے بیٹے اپنے کھو کر آئی ہوں
قبریں تین بنائیں اُن قبروں پر رو کر آئی ہوں

روئی صغراؑ ہے ہے باباؑ ہے ہے بھائی کہہ کہہ کر ہے ہے پیاسے ذبح ہوئے تم کیسی مصیبت سہہ سہہ کر
ہے ہے خاک پہ خوں گرتا تھا تن سے تمھارے بہہ بہہ کر (۴۷) کرتی تھی ماتم تھم تھم کر کھاتی تھی پچھاڑیں رہ رہ کر

سہتی تھی دکھ چُپ ہو ہو کر پھر چلّانے لگتی تھی
ہوتی تھی بیتاب پچھاڑیں خاک پہ کھانے لگتی تھی

پھپھیوں کی چھاتی سے لگ کر گاہے کرتی تھی فریاد پیٹنے لگتی سینہ اپنا جب کرتی باباؑ کو یاد
قاسمؑ کی شادی کا قصّہ سن کر ہوتی تھی ناشاد (۴۸) کہتی تھی زہراؑ کا ہوا ہے بن میں ہے ہے گھر برباد

چھاؤنی چھائی بابا صاحب تم نے جا کر جنگل میں
روتی ہے صغراؑ تم کو وطن میں تم سوتے ہو مقتل میں

بس اب جوش ہوا رقّت کا طول نہ دے خاموش فصیحؔ شکر ہے ان آنکھوں سے دیکھی چودہ معصوموں کی ضریح
معتمدولہ میرا آقا ہے اور مخدوم صحیح (۴۹) شکر ہے منعم کا واجب کیونکر نہ کروں ہر دم تصریح

مدّت سے نواب کا نائب مکّے میں کہلاتا ہوں
رونے محل میں جاتا ہوں عمرہ بہ نہایت لاتا ہوں

❁❁❁❁

فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل کے تحت شائع ہونے والی کتب

۱۔	فروغِ مرثیہ۔ایک نئے عزم کی ابتدا	اصغر مہدی اشعر	۲۰۱۹ء	۱۴۔فرہنگِ جوشؔ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۲ء
۲۔	فرہنگِ انیسؔ (اُردو لغت بورڈ)	اصغر مہدی اشعر	۲۰۱۹ء	۱۵۔فروغِ مرثیہ۔آٹھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۲ء
۳۔	رثائیاتِ علّامہ طالب جوہری	فرحان رضا	۲۰۲۰ء	۱۶۔ وحیدِ سخن (اشتراک۔جواہر)	ارتضیٰ عباس نقوی ۲۰۲۲ء
۴۔	فروغِ مرثیہ۔ پہلا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۰ء	۱۷۔خونِ شہیداں (اشتراک۔ورثہ)	ممتاز جون پوری ۲۰۲۲ء
۵۔	فروغِ مرثیہ۔دوسرا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۰ء	۱۸۔فروغِ مرثیہ۔نواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۲ء
۶۔	فروغِ مرثیہ۔تیسرا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء	۱۹۔ دبیرؔ کے مرثیے۔جلد دوم	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۲ء
۷۔	گلزارِ فصیحؔ (اشتراک۔جواہر)	ارتضیٰ عباس نقوی	۲۰۲۱ء	۲۰۔فروغِ مرثیہ۔دسواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۲ء
۸۔	فروغِ مرثیہ۔چوتھا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء	۲۱۔کینیڈا اور امریکہ کے مرثیہ نگار	اختر آصف زیدی ۲۰۲۳ء
۹۔	فروغِ مرثیہ۔ پانچواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء	۲۲۔دبیرؔ کے مرثیے۔جلد سوم	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۳ء
۱۰۔	فروغِ مرثیہ۔ چھٹا شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء	۲۳۔فروغِ مرثیہ۔بارھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۳ء
۱۱۔	فرہنگِ دبیرؔ (ورثہ)	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء	۲۴۔فروغِ مرثیہ۔تیرھواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۳ء
۱۲۔	دبیرؔ کے مرثیے۔جلد اوّل	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۱ء	۲۵۔دبیرؔ کے مرثیے۔جلد چہارم	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۳ء
۱۳۔	فروغِ مرثیہ۔ساتواں شمارہ	اصغر مہدی اشعر	۲۰۲۲ء	۲۶۔اجزائے مرثیہ کا موجد: میر ضمیرؔ	اصغر مہدی اشعر ۲۰۲۳ء

مرثیہ

جعفر علی فصیح لکھنوی

تعدادِ بند۔۔۔۴۹

عزیزو زلزلہ نزدیک ہے روزِ قیامت کا وہ دن ہے اے گنہگارو خجالت اور ندامت کا
نہ بھولو وقت میزانِ عمل کی استقامت کا (۱) وہ دن ہے اوجِ نجمینِ نبوّت اور امامت کا
دھرے تاج شفاعت سر پہ محبوبِؐ خدا ہونگے
منافق چھٹکے ہونگے ایک جا مومن جدا ہونگے

جو دست راست ہونگے ان پہ ہوگا عرش کا سایہ جو دست چپ کو ہونگے ان پہ ہووے گا دھواں چھایا
نسیم جنّت الماوا کا جب جھونکا ادھر آیا (۲) کڑک کر شعلۂ دوزخ اِدھر بجلی سا لہرایا
لب اصحاب الم کے ہونگے تر یہاں آبِ کوثر سے
اُدھر ڈیرے بھریں گے بہہ کے آنسو دیدۂ تر سے

صدائے عرشِ اعظم گوش زد ہووے گی اک باری کہ اے مخدومہ ہے یوم الحسابِ ایزدِ باری
کرے گی آج جلوہ شانِ قہّاری و جبّاری (۳) نتیجہ نیک و بد دے گی گرانباری سبکباری
اگر ہو خیر و شر مثقالِ ذرّہ ہے جزا اتنی
جزائے خیر دس حصہ بدی جتنی سزا اتنی

یہ مضمونِ روایت ہے جو مومن ہو کرے باور قلم سے پہلے ہوگا یہ سوالِ عادلِ داور
لکھا تھا لوح پر فرماں مرا اے خامہ نقش آور (۴) جو لکھا ہے تو حاضر کر تو اپنے شاہد و یاور
اگر تو نے نہ لکھا ہو تو ہے ثابت خطا تیری
عذابِ دائمی تیری سزا دوزخ ہے جا تیری

قلم تھرّا کے بولے گا کہ اے قہار اے غالب تیرا فرمان جو پہنچا ہوا فی الفور میں کاتب
مگر تیرے سوا ہے کون میرا شاہد و صاحب (۵) لکھا جو لوح پر میں نے وہ حاضر ہے نہیں غائب
تو دانا ہے تو بینا ہے تو آقا ہے تو قادر ہے
بعینہ لوح پر مرقوم ہے جو حکم صادر ہے

خطاب اس وقت ہوگا لوح کو اے لوح کر ظاہر لکھا فرماں مرا تجھ پر قلم ہرگز نہ تھا قاصر
نوشتہ کیا کیا تو نے مٹایا یا رکھا حاضر (۶) پکارے گا یکایک تھرتھرا کر لوح اے قاہر
وہ تیرا حکم نافذ میرے سینے پر نوشتہ ہے
دکھایا اس کو اسرافیلؑ جو تیرا فرشتہ ہے

طلب جس وقت اسرافیل ہوگا آئے گا ترساں کہے گا میں نے پہنچایا تھا میکائیلؑ کو فرماں
تو میکائیلؑ ہوئے گا طلب بولے گا اے سبحاں (۷) دیا روحؑ الامیں کو حکمِ ناطق واجب الادغاں
تو شاہد ہے خداوندا نہیں تقصیر کی میں نے
نہ کچھ سستی ہوئی مجھ سے نہ کچھ تاخیر کی میں نے

طلب ہووے گا تب روح الامینؑ جب سامنے آیا کہے گا حکم تیرا انبیاؑ کو میں نے پہنچایا
خطاب احمدؐ کو ہوگا اے محمدؐ مصطفٰے آیا (۸) تجھے احکام جو پہنچے ہمارے سب بجا لایا
میرے بندوں پہ امر و نہی ہے تبلیغِ رسالتؐ کی
ہدایت میں رہا مصروف تو اہلِ ضلالت کی

کہیں گے مصطفٰےؐ یارب ہوئے احکام جو صادر رکھے میں نے نہ پوشیدہ کیے اُمّت پہ سب ظاہر
تو شاہد ہے ملائک ہیں گواہ اے داورِ قادر (۹) جو ہیں ابرارِ اُمّت وہ شہادت سے نہیں قاصر
پکاریں گے ملک قولِ نبیؐ تحقیق ہے یارب
گواہی دے گی اُمّت مصطفٰےؐ تصدیق ہے یارب

خدا پوچھے گا احمدؐ تُو نے جب دنیا سے منھ پھیرا کیا کس کو خلیفہ بعدِ نائب کون تھا میرا
کہیں گے تب پیمبرؐ جانشیں داماد تھا میرا (۱۰) علیؑ تیرا ولی جس کا کھڑا ہے عرش پہ ڈیرا
کہا اُمّت سے میں نے اب علیؑ مولا تمھارا ہے
میرا قولِ جلی من کنتُ مولا آشکارا ہے

علیؑ سے تب خدا پوچھے گا اے ابنِ ابی طالبؑ امامؑ العصر تھا تو اور حبیب اللہ کا نائب
ادا تو نے کیا تھا تجھ کو جو کچھ لازم و واجب (۱۱) کہیں گے تب علیؑ مرتضٰی اے قاہر و غالب
یہ حق ہے ہم کو نائب کر کے پیغمبرؐ سدھارے تھے
ولیکن ہوگئی برگشتہ اُمّت ہم کنارے تھے

نہ جانا جانشیں ہم کو نبیؐ کا ہو گئے منکر کیا ہم کو ضعیف و خوار و زار و جان بلب آخر
ہمیشہ چاہتے تھے کر کے حیلہ کاٹ لیں یہ سر (۱۲) برا کہتے تھے دنیادار ہم کو غائب و حاضر
یہ سنتے تھے ہماری بات اطاعت کون کرتا تھا
ہر اک دنیا کی تھا خواہش میں مال و زر پہ مرتا تھا

جسے چاہا کیا اجماع کر کے بادشاہ اپنا بنایا تھا ہوا کو بے حیاؤں نے اِلٰہ اپنا
کیا دنیا کی خاطر دیں کمینوں نے تباہ اپنا (۱۳) نہ دیکھا ہم نے یارب ان کی صحبت میں نباہ اپنا
ہوئے عزلت گزیں ہو کر الگ سارے زمانے سے
نہ چھوڑا کھینچ لائے ہم کو بیعت کے بہانے سے

بہت کرتے رہے ہم صبر پر درپے رہے دشمن جہاد آخر کیا ناچار ہو کر تجھ پہ ہے روشن
مدینہ ہم سے چھوٹا آخرش کوفہ ہوا مسکن (۱۴) وہاں بھی کرتے تھے مکر و دغا و حیلہ مرد و زن
لگی تلوار آخر سر پہ مسجد میں ستمگر کی
ہماری ریش سجدے میں لہو سے تیغ نے تر کی

یتیموں پر ہوئے جو کچھ ستم ظاہر میں سب یارب حسنؑ کو زہر دے کر مار ڈالا بے سبب یارب
حسینؑا کو کیا غربت میں بے سر تشنہ لب یارب (۱۵) حرم کو لے گئے بندی بنا کر بے ادب یارب
ستم ہے سر برہنہ زینبؑ و کلثومؑ جاتی تھیں
نہ پائیں چادریں بالوں سے اپنے منھ چھپاتی تھیں

ستایا ظالموں نے فاطمہؑ بنتِ پیمبرؐ کو خداوندا جلایا آگ سے معصومہ کے گھر کو
گرایا دشمنوں نے حاملہ کے پیٹ پر در کو (۱۶) ہوا محسنؑ کا خوں اعدا نے مارا اس کے دلبر کو
بہت فریاد کی اس نے نہ تھا فریاد رس کوئی
وہ بی بی بلبلاتی تھی نہ کھاتا تھا ترس کوئی

یہ مضمونِ روایت ہے کہ ہوویگی طلب زہراؑ ادب سے دست بستہ قبر پر جبریلؑ آئے گا
ملک ستّر ہزار آئیں گے اس کے ساتھ ساتھ اس جا (۱۷) کرے گا سات خیمے نور کے روحؑ الامیں برپا
ملک فرّاش ہیں روحؑ الامیں فرّاش باشی ہے
مدینے کی زمینِ پاک ہے اور نور پاشی ہے

پھر اسرافیلؑ لے کر تین جوڑے نور کے بھاری قریبِ قبر آئے گا بہ حکمِ ایزدِ باری
زمین آداب سے چُومے کا جھک جھک کر کسی باری (۱۸) تصدّق قبر کے ہو کر کرے گا گریہ و زاری
پکارے گا صدائے نرم سے یا فاطمہؑ قومی
قیامت سے ہوا آراستہ دربارِ قیومی

اُٹھے گی قبر سے بنتِ نبیؐ خیموں میں جاوے گی اُتارے گی کفن اور آبِ کوثر سے نہاوے گی
وہ حلّے لے کے اسرافیلؑ سے حوری پنہاوے گی (۱۹) مگر سر گوندھنے کو جب وہ کنگھی لے کے آوے گی
کہے گی فاطمہؑ رہنے دے حوری سر کھلا میرا
ہوا ہے کربلا میں ذبح پیاسا لاڈلا میرا

مجھے فریاد کرنی ہے خداوندِ دو عالم سے مرا سر گوندھ مت حوری کلیجہ چاک ہے غم سے
نہ پائی گور میں بھی میں نے فرصت اس کے ماتم سے (۲۰) تعلق ہے مرے دل کو حسینؑا جان کے دم سے
نہ جب تک خوں بہا مظلوم کا محشر میں پاؤں گی
برہنہ سر پکڑ کر عرش کا پایہ ہلاؤں گی

یہ فرما کر کہے گی حور سے زہراؑ سواری لا وہیں پہنچے گا زوقائیل لے کر ناقہ جنت کا
کسا محمل طلائی پیٹھ پر اس اونٹ کے ہوگا (۲۱) لڑی موتی کی ہووے گی زمامِ ناقۂ زہراؑ
مہارِ ناقہ تھامے آگے زوقائیل ہووے گا
صدائے آہ زہراؑ ساریاں سن سن کے روئے گا

ہوا تھوڑا سا رستہ طے تو غل ہوگا سرِ میداں کہ استقبال کو آتی ہیں مریمؑ دخترِ عمراں
جلو میں اس کے سبعین الف ہونگی خلد کی پریاں (۲۲) سلام آکر کرے گی فاطمہؑ محمل نشیں کو واں
لیے ہمراہ پریاں ساتھ ہولے گی سواری کے
رہے گی دستِ چپ کو فاطمہؑ احمد کی پیاری کے

چلے گی پھر سواری فاطمہؑ کی جانبِ محشر ملائک کا نظر آوے گا پھر آگے سے اک لشکر
یہ غل ہوگا خدیجہؑ نکلی ہیں فردوس کے باہر (۲۳) چلی ہے فاطمہ زہراؑ کے استقبال کو مادر
ملک ستّر ہزار اس کے جلو داری کو آئے ہیں
علم اللہُ اکبر کے فرشتوں نے اُٹھائے ہیں

ملے گی آکے ماں دختر سے ساتھ اس کے رواں ہوگی سواری حضرتِ حوّا کی پھر یونہی عیاں ہوگی
پھر آکر آسیہ بنتِ مزاحم مدح خواں ہوگی (۲۴) ہر اک کے ساتھ صف حوروں کی مثلِ کہکشاں ہوگی
صفِ اوّل میں ستّر الف آخر میں
یہ سب آویں گے استقبال کو زہراؑ کے ظاہر میں

غرض آوے محشر میں سواری دھوم سے جس دم سنیں گے اہلِ محشر یہ صدا دیوے گا عرش اعظم
کرو آنکھیں ادب سے بند اپنی اے بنی آدمؑ (۲۵) کھلے سر آتی ہیں فریاد کرتی فاطمہؑ پُر غم
خدا کے آگے خاتونِ قیامت داد خواہ آئی
---- ---- بنتِ محبوبؐ اِلٰہ آئی

حسینؑا وا حسینؑا کی صدا سے عرش ہلتا ہے کلیجہ ہر بشر کا آہ سے زہراؑ کی چھلتا ہے
ہوا ہے خونِ ناحق خوں بہا آج اس کا ملتا ہے (۲۶) خزاں ہے ظلم پر اب عدلِ رب کا پھول کھلتا ہے
شرارے آگ کے دوزخ سے بجلی سے نکلتے ہیں
جہنم کھولتا ہے موج سے شعلے اچھلتے ہیں

سب آنکھیں بند کر لیں گے بر ابراہیمؑ اور حیدرؑ کھلے سر دیکھ کر زہراؑ کو غش ہوئیں گے رو رو کر
صدا آوے گی جو مطلب ہو تیرا کر طلب مت ڈر (۲۷) کہے گی بلبلا کر فاطمہؑ مظلومہ اے داور
حسنؑ کو اور حسینؑا کو مجھے پہلے دکھا دے تو
جب ان کو دیکھ لوں پھر مجھ کو یارب خوں بہا دے تو

نظر آویں گے تب زہراؑ کو یوں فرزند میداں میں حسنؑ لختِ جگر تازہ لیے ہوئیں گے داماں میں
دھرا ہوگا بریدہ سر کفِ شاہؑ شہیداں میں (۲۸) بھرا ہوگا غبارِ کربلا زلفِ پریشاں میں
کٹا ہوگا گلا ساری رگوں کے منھ کھلے ہونگے
بہیں گے سیلِ خوں ظاہر لہو کے بلبلے ہونگے

جراحت یک ہزار و نُہ صد و پنجاہ و یک ہوں گے نیستاں تیرکے سر سے لگا کر ناف تک ہوں گے
کٹے ہوویں گے پہنچے اور انھیں تھامے ملک ہونگے (۲۹) دو گیسو خون میں ڈوبے ہوئے تحت الحنک ہونگے
چھدا ہووے گا ماتھا تیر سے تیغوں سے سر زخمی
کٹا ہوگا گلا خنجر سے نیزوں سے جگر زخمی

زباں سوکھی ہوئی نیلے لبوں پر جلوہ گر ہوگی کھلی نرگس کی صورت زعفرانی چشمِ تر ہوگی
چمکتی ریت دشت کربلا کی چہرے پر ہوگی (۳۰) ـــــ سان زلفِ دو تا دور قمر ہوگی
صدا آوے گی میں مظلوم ہوں بھوکا پیاسا ہوں
مسافر کربلا کا ہوں پیمبرؐ کا نواسا ہوں

نہ آتا تھا مدینے سے بلایا مجھ کو اُمّت نے مرے پیاروں کے سر کاٹے رُلایا مجھ کو اُمّت نے
ہوئی جب خواہشِ دنیا بھلایا مجھ کو اُمّت نے (۳۱) زمیں میں دھوپ میں آخر سلایا مجھ کو اُمّت نے
نواسہ جان کر مجھ کو نبیؐ کا ذبح کرتے ہیں
قریبِ نہر ننّھے بچّے میرے پیاسے ترسے ہیں

نکالیں گے یہ کہہ کر گود سے شبیرؑ اک مردہ نظر آوے گا ننھا سا دہن غنچہ سا پژمردہ
عیاں ہووے گا حلقِ نازنین تیرِ ستم خوردہ (۳۲) پکارے گی یہ خاتونِؑ قیامت ہو کے افسردہ
خداوندا علی اصغرؑ مرا چھوٹا یہ پوتا ہے
خوشی ہے مسکراتا ہے یہ بچّہ باپ روتا ہے

گلے پر تیر کیوں مارا بھلا اس نے خطا کیا کی گیا تھا مانگنے پانی موا گودی میں بابا کی
بلائیں کیسی مادر لیتی ہو کے اس سراپا کی (۳۳) عجب حالت ہوئی ہوگی سکینہؑ اور کبراؑ کی
سکینہؑ ڈرتی ہوگی دیکھ کر تر خوں میں اصغرؑ کو
دلھن لپٹائے ہوگی اپنے سینے سے پر اصغرؑ کو

خداوندا علی اصغرؑ مرے دلبر کا دلبر ہے گلے میں اس کے اب تک حرملہ کے تیر کا پر ہے
یہ بچہ حضرتِ صالحؑ کے کیا بچے سے کمتر ہے (۳۴) لہو سے آج تک پیاسے کے منھ سوفار کا تر ہے
الٰہی دیکھ ننھے سے گلے کا زخم آلا ہے
کسی نے تیر گردن سے نہیں اب تک نکالا ہے

فغاں سے فاطمہؑ کی عرشِ اعظم تھرتھرا دے گا حسینؑ ابنِ علیؑ پھر اور اک بچّے کو لاوے گا
کٹے ہوویں گے اس کے پہنچے روتا آگے آوے گا (۳۵) اُٹھا کر اپنے زخمی ہاتھ زہراؑ کو دکھاوے گا
پکارے گا کہ عبداللہؑ فرزندِ حسنؑ ہوں میں
برادر قاسمؑ نوشاہ کا گلگونِ کفن ہوں میں

حسینؑ ابنِ علیؑ کے آگے میداں میں سپر تھا میں ڈراتے تھے مجھے تیغوں سے ظالم پر نہ ڈرتا میں
لگی تلوار جب پہنچوں کے اوپر خوں میں تر تھا (۳۶) سرکتا تھا نہ آگے سے نہ چچا کے شیرِ نر تھا میں
گلے پر تیر جب دشمن نے مارا غش مجھے آیا
گلے سے اپنے عم کی تب لپٹنا خوش مجھے آیا

کہے گی فاطمہ زہراؑ ترے قربان ہو زہراؑ لگا ہے ہے ترے پہنچوں کے اوپر گھاؤ کیا گہرا
تو جھوٹا تھا مگر شبیرؑ کا یاور بڑا ٹھہرا (۳۷) ترا قاتل ہے پیارے رحمتِ مولیٰ ہے بے بہرہ
چلے کا جب چچا جنت کو آگے آگے تو ہوگا
نبیؐ و مرتضیٰؑ کے سامنے تو سرخرو ہوگا

یہ کہہ کر فاطمہ زہراؑ پکارے گی علی اکبرؑ دکھاؤ مجھ کو اپنی شان تم او شکلِ پیغمبرؐ
نظر آوے گی تب میداں میں تصویرِ نبیؐ بے سر (۳۸) نمایاں زخم اک نیزے کا ہوگا اس کی چھاتی پر
کلیجہ تھرتھراتا زخم سے باہر دھرا ہوگا
انگوٹھی منہ میں ہووے گی مسوں میں خوں بھرا ہوگا

لٹیں بکھری ہوئی زلفوں کی ہونگی گرد آلودہ رُخِ گلرنگ ہوگا یا غبارِ زرد آلودہ
عرق سے چہرہ یا شبنم سے ہوگا درد آلودہ (۳۹) جگر کے خون سے ہوگا دلِ پُردرد آلودہ
علی اکبرؑ کی ماں آکر پکارے گی دہائی ہے
یہ اٹھارہ برس کی شہربانوؑ کی کمائی ہے

خداوندا بہو ہے فاطمہ زہراؑ کی فریادی نبیؐ کی آلؑ پر دنیا میں کی اُمّت نے بیدادی
الٰہی رات کو قاسمؑ سے کبراؑ کی ہوئی شادی (۴۰) گلا دولھا کا کاٹا دن کو کر دی خانہ بربادی
کیا پامال دولھا کا بدن چابک سواروں نے
دلھن کے ہاتھ باندھے رسیوں سے نابکاروں نے

دکھاوے گی پھر اک ننھی سی لڑکی بانوؑ رو رو کر لہو کانوں سے اس کے بہتا ہوگا خوں میں ہوگی تر
عیاں ہوگا طمانچے کا نشاں رخسار کے اوپر (۴۱) ورم چہرے پہ ہوگا کنپٹی تک نیل سر تا سر
پکارے گی جب اس کے کان سے بندے اُتارے تھے
طمانچے زور سے ظالم نے رخساروں پہ مارے تھے

یہ روتی تھی تو کہتا تھا کہ چپ رہ اے پدر مردہ پدر کی لاڈلی تھی اب ستم سہ اے پدر مردہ
نہ چلّا ہائے بابا جان مت کہہ اے پدر مردہ (۴۲) تو شہزادی نہیں مارے گئے شہؑ اے پدر مردہ
لیا گر نام بابا کا طمانچہ منھ پہ ماروں گا
پنہائے تھے جو در بابا نے تجھ کو میں اُتاروں گا

بہت سوئی ہے سینے پر پدر کے خاک پر اب سو مدینے میں بہت ہنستی رہی ہے قید میں اب رو
بہت کرتی رہی ہے لاڈ اب ترساں و لرزاں ہو (۴۳) ہمیشہ قید خانے میں رکھوں گا شام میں تجھ کو
بہت بابا کی تو پیاری ہے تجھ کو میں ستاؤں گا
ابھی کیا شام میں جس وقت پہنچوں گا بتاؤں گا

بیاں بانوؑ کے سن کر فاطمہؑ کیا بلبلاوے گی دہائی دے گی زہراؑ عرش کا پایا ہلاوے گی
لیے بازوؤں کو پھر اُم البنینؑ فریاد آوے گی (۴۴) چھدا مشکیزہ زہراؑ کو دکھا کر یوں سناوے گی
مرا بیٹا علم بردار ہے شاہؑ مدینہ کا
کٹا ہے ہاتھ شانے سے یہ سقّائے مدینہ کا

کریں گے آ کے زین العابدینؑ دادی کو پھر مجرا گلے میں طوق بھاری پاؤں میں بھی سلسلہ دہرا
مہار اونٹوں کی تھامے سر جھکائے اور برہنہ پا (۴۵) کفِ پا زخمی ہونگے اور ورم گھٹنوں تلک ہوگا
پکاریں گے شُتر بان ہم اسیرانِ بلا کے ہیں
ہمارے پاؤں کے چھالوں میں کانٹے کربلا کے ہیں

شتر کھینچے ہیں ہم نے کربلا سے شام تک پیدل برہنہ تھے ہمارے پاؤں اور پرخار تھے جنگل
ہمیں آتے تھے غش پر غش لعیں کہتے تھے آگے چل (۴۶) ہماری پیٹھ میں چبھتے تھے ہر دم برچھیوں کے پھل
سنے ہیں ہم نے کیا کیا سخت کلمے بدزبانوں کے
ہمارے جسم پر اب تک نشاں ہیں تازیانوں کے

قیامت ہوگی جب اہلِ حرم کے اونٹ آویں گے کھلے سر بال بکھرے آ کے زہراؑ کو دکھاویں گے
صدائے وا حسیناؑ سے ملائک تھرتھراویں گے (۴۷) فغان و آہ سے ساتوں جہنم جوش کھاویں گے
نظر آوے گی جس دم زینبؑ و کلثومؑ سر کھولے
ملک سایہ کریں گے ان کے سر پر اپنے پر کھولے

پکاریں گے دہائی ہے ہمیں اُمّت نے لوٹا ہے ہمارا بھائی پیارا کربلا میں ہم سے چھوٹا ہے
جگر زخمی ہوا طعنوں سے دل صدموں سے ٹوٹا ہے (۴۸) یہ پٹکا چوبِ محمل پر کہ سر زینبؑ کا پھوٹا ہے
سرِ شبیرؑ نیزے پر دھرے بے رحم جاتے تھے
ہمیں وہ چاند سا منھ خوں میں آلودہ دکھاتے تھے